حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون: 048-3021536

نشر تعلیمات اسلامیہ امامیہ کا سب پاک ترجمان

جلد ۱۴ | اپریل ۲۰۱۰ء | شمارہ ۴

زیر سرپرستی
مرجع شیعیانِ جہان مُفسّرِ قرآن
آیۃ اللہ علامہ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی
مؤسس جامعہ علمیہ سلطان المدارس

فہرست مضامین

مُدیرِ اعلیٰ : ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت : جامعہ علمیہ سُلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخط کمپوزرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِتعاون 200 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

اِتحادِ اُمتِ مُسلمہ

تاریخِ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب تک مُسلمان اتحاد و یگانگت کے خُوبصورت ترین مناظر پیش کرتے رہے اقوام عالم میں ہر میدان میں سربلند رہے اور اوجِ کمال تک پہنچے۔ مُسلمانوں نے علم و عرفان کے بیش بہا جواہر اقوام عالم میں مُفت تقسیم کیے۔ ایجادات و اختراعات میں بلند مقام حاصل کیا۔ شجاعت و بہادری کے بے مثال معرکے سر کیے۔ ایثار و قربانی کے بے نظیر واقعات مثال کے طور پر چھوڑے۔ ریاضت و عبادت اور عشقِ الٰہی کے روح پرور مناظر پیش کیے۔ مگر جب سے اُمتِ مُسلمہ خود غرضی، تعصب اور باہمی انتشار و اختلافات کا شکار ہو گئی اس کی ہوا اکھڑ گئی اور پسماندگی اور ذلت اس کا مقدر بن گئی۔ بات بات پر اختلاف نے نئے نئے مسالک اور فرقوں کو جنم دیا۔ ہمارے خیال میں مُسلمانوں کی موجودہ پستی اور رسوائی کا سبب باہمی اختلاف و انتشار ہے۔ آج پوری امتِ مُسلمہ جس وحشت ناک اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہے، محتاجِ بیان نہیں ہے۔ تمام اسلامی ممالک دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا شکار ہیں۔ اور عالمی طاغوتی طاقتیں اپنے مفادات کی خاطر مُسلمانوں کو آپس میں لڑا کر تماشہ بین ہیں۔ مُسلمان حکمران خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے ہیں اور غیروں کے اشارے پر چل رہے ہیں۔ مُسلمانوں کے تمام طبقات اختلاف کا شکار ہیں۔ ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلِ اسلام کے درمیان جو اخوت و مساوات کے زریں اصول اور عملی نمونے پیش فرمائے تھے مُسلمانوں نے انھیں یکسر بھلا دیا ہے اور دورِ جاہلیت کے اختلافات اور جنگ و جدل کے راستے پر چل پڑے ہیں ---- ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک قرآن، ایک کعبہ کے ماننے والے ایک نظر نہیں آرہے، جنھیں پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک جسم ایک دیوار کی مانند قرار دیا تھا وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور ایک دوسرے کو کافر کہنے پر فخر و مباہات کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم کا اِرشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حُضُور علیہ السّلام کا فرمان ہے: المسلم اخو المسلم لا یظلمه و لا یسلمه مُسلمان مُسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے تنہا نہیں چھوڑتا۔ قتل و غارت گری کرنے والے مذہبی جنونی لوگوں نے کیا یہ فرامین بھلا دیے ہیں؟ یا قرآن و حدیث سے مُنہ موڑ لیا ہے۔ یہ لوگ مُسلمانوں کا خون بہا کر روزِ قیامت شفیع روزِ قیامت کو کیا مُنہ دکھائیں گے؟ ---- یوں تو ہر دور میں اتحاد و اتفاق کی اشد ضرورت ہے مگر جس قدر اتحاد کی ضرورت آج ہے اتنی پہلے کبھی نہ تھی۔ اہل اسلام کے تمام مسالک اور مکاتب کے رہبران اور کارپردازان سے پرزور گزارش ہے کہ وقت کی نزاکت کا احساس کریں اور سیرت نبویؐ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بھائی چارے کے مناظر پیش کریں اور اخوت و مساوات کے بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کریں اور سب باہم مل کر اسلام اور اسلامی ممالک کے استحکام اور ترقی کے لیے سینہ سپر ہو جائیں تاکہ مُسلمانوں پر نازل رسوائی اور پسماندگی کے بادل چھٹ جائیں۔ ؎

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

﴿باب العقائد﴾

کم از کم کس قدر معرفتِ خدا ضروری ہے؟

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

خالقِ کائنات کے متعلق یہی اجمالی عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ واجب الوجود اس کائنات کا خالق اور ہر کمال سے متصف اور ہر نقص سے منزہ و مبرا اور ذات و صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ لیس کمثلہ شئ۔

خلاصہ یہ کہ سورۂ توحید کے مطالب پر ایمان رکھنا کافی ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد۔ اے میرے حبیب کہدو اللہ ایک ہے وہ تمام عالم سے بے نیاز ہے۔ اس سے کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر و نظیر ہے۔ چنانچہ

حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

من قرأ قل ھو اللہ احد و امن بھا فقد عرف التوحید۔ جو شخص سورۃ قل ھو اللہ احد کو پڑھے اور اس پر ایمان لائے اس نے توحید کی معرفت حاصل کر لی۔

(از عیون اخبار الرضا)

اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا: ان اللہ عز و جل علم انہ یکون فی اٰخر الزمان اقوام متعمقون فانزل اللہ تبارک و تعالیٰ قل ھو اللہ احد و الآیات من سورۃ الحدید الی قولہ علیم بذات الصدور فمن رام وراء ذلک فقد ھلک۔

خداوند عالم کو علم تھا کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو (مباحث توحید میں) بہت غور و تعمق سے کام لیں گے۔ اس لیے اس نے سورۂ توحید اور سورۃ حدید کی پہلی چند آیتیں علیم بذات الصدور تک نازل کر دیں۔ لہٰذا اب جو شخص اس سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (بحار الانوار جلد ۲)

جناب ہشام روایت کرتے ہیں کہ ایک زندیق نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا: ان اللہ تعالیٰ ما ھو؟ کہ خداوند عالم کیا ہے؟۔ فقال ھو شئ بخلاف الاشیاء ارجع بقولی شئ الی انہ شئ بحقیقۃ الشیئۃ بغیر انہ لا جسم و لا صورۃ و لا یحس و لا تجسس و لا یدرک بالحواس الخمس لا تدرکہ الاوھام و لا تنقصہ الدھور و لا تغیرہ الازمان۔ الخ فرمایا وہ ایک شے ہے مگر دوسری اشیاء سے مختلف ہے۔ اس کو شے کہنے سے میری مراد یہ ہے کہ وہ حقیقت شے کے اعتبار سے فی الحقیقت شے ہے اور موجود ہے۔ (کیونکہ وہ واجب الوجود ہے اور باقی اشیاء کا وجود بوجہ امکان عارضی ہے) نہ وہ جسم ہے اور نہ صورت نہ وہ ظاہری حواس

سے محسوس ہوسکتا ہے اور نہ باطنی حواس سے محسوس ہوسکتا ہے اور نہ حواس خمسہ سے اسے درک کیا جاسکتا ہے۔ نہ وہم اس کا احاطہ کرسکتے ہیں اور نہ زمانوں کا گزرنا اس میں کسی قسم کا نقص یا تغیر پیدا کرسکتا ہے۔

(بحار جلد ۲ بحوالہ احتجاج)

فتح بن یزید جرجانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا: عن ادنی المعرفۃ؟ کم از کم معرفتِ خداوندی کس قدر ضروری ہے؟۔ فقال الاقرار بانہ لا الہ غیرہ و لا شبہ لہ و لا نظیر لہ و انہ قدیم مثبت موجود غیر فقید و انہ لیس کمثلہ شئ۔ (توحید شیخ صدوق) فرمایا یہ اقرار کرنا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر و نظیر ہے۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔ کوئی شئی اس کی مانند نہیں ہے۔ خداوند عالم کی کنہ حقیقت تک انسانی عقل و فہم کی رسائی حاصل کرسکنے کی ابن ابی الحدید معتزلی نے بہت صحیح تصویر کشی کی ہے۔

فیك یا اعجوبۃ الکون غدا الفکر کلیلا
انت حیرت ذوی اللب و بلبلت العقولا

کلما اقدم فکری فیك شبرا فرمیلا
فکما یخبط فی عمیا لا یھتدی سبیلا

اے عجوبہ کائنات تیرے متعلق عقل و فکر درماندہ ہوگئے ہیں۔ تو نے صاحبانِ عقل کو متحیر اور عقول و افہام کو پریشان کردیا۔ میں جب بھی اپنے جوادِ فکر کو مہمیز کرکے اسے تیرے بارے میں ایک بالشت آگے بڑھاتا ہوں تو وہ الٹے پاؤں اندھا دھند ایک میل پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کوئی راستہ نہیں پاتا۔

اس حدیث شریف کا مطلب بھی یہی ہے جو جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا: من سئل عن التوحید فھو جاھل۔ جو شخص ذاتِ خداوندی کی حقیقت کے بارے میں سوال کرے وہ جاہل ہے۔ و من اجاب عنہ فھو مشرك۔ اور جو ایسے سوال کا جواب دے وہ مشرک ہے۔ و من عرفہ فھو ملحد۔ جو شخص حقیقت ایزدی کی معرفت کا دعویٰ کرے وہ ملحد ہے۔ و من لم یعرفہ فھو کافر۔ اور جو شخص (بقدر ضرورت) اپنے خالق کو نہ پہچانے وہ کافر ہے۔

(از تحفہ امامیہ در حقیقت مذہب شیعہ)

شیخ سعدیؒ نے بھی اِس مطلب کو اپنے مخصوص انداز میں یوں ادا کیا ہے: ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گماں و وہم
زہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

عقلاً بھی یہ بات مسلم ہے کہ کسی چیز کی حقیقی معرفت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب اس کی جنس و فصل معلوم ہو۔ اور جس ذات والاصفات کی کوئی جنس و فصل ہی نہ ہو تو پھر بھلا اس کی حقیقی معرفت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ بہرحال ہم شکار معرفت کردگار کے صیادوں کو یہ مشورہ دے کر اس بحث کو یہاں ختم کرتے ہیں کہ اس سلسلہ

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

﴿باب التفسیر﴾

غزوۂ بدر الصغریٰ کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی دام ظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمۃ الآیات

اور جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسُول کی آواز پر لبیک کہی ان میں سے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے۔ (۱۷۲) وہ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تُمھارے خلاف بڑا لشکر جمع کیا ہے لہذا تم ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا۔ اور انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے۔ (۱۷۳) پس یہ لوگ اللہ کی عنایت اور اس کے فضل و کرم سے اس طرح (اپنے گھروں کی طرف) لوٹے کہ انھیں کسی قسم کی تکلیف نے چھوا نہیں تھا۔ اور وہ رضاءِ الٰہی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ (۱۷۴) در اصل یہ تُمھارا شیطان تھا جو تمھیں اپنے حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے۔ اور تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو۔ (۱۷۵)

تفسیر الآیات

غزوۂ بدر الصُغریٰ کا تذکرہ

الذین استجابوا ۔۔۔ الآیۃ

ابھی تک غزوۂ احد کا تذکرہ تھا مگر ان آیات میں غزوۂ حمراء الاسد کا تذکرہ ہے جسے غزوہ بدر الصُغریٰ بھی کہا جاتا ہے اور اس کا مختصر قصہ کچھ یوں ہے کہ ابوسُفیان اور دوسرے کفار مکہ جب احد سے واپس چلے گئے تو راستہ میں بمقام "روحاء" پہنچ کر ان کو یہ خیال آیا کہ غالب آنے کے باوجود ہم جنگ کو اس کے منطقی انجام تک پہنچائے بغیر واپس آگئے۔ ہمیں چاہیے تھا کہ سب مُسلمانوں کو تہ تیغ کر دیتے۔ یہ خیال کر کے واپس مدینہ لوٹنے اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر خداوند عالم نے بذریعہ وحی پیغمبر اسلام کو اس کی اطلاع دی اور آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ ہم نے کفار کے تعاقب میں جانا ہے۔

یہ اگرچہ بڑا ہی نازک موقع تھا، مگر پھر بھی مخلص مومن صحابہ جاں نثاری کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں کئی آدمی ایسے بھی تھے جو جنگ احد میں سخت زخمی ہوئے تھے اور آنحضرتؐ ان جاں نثاروں کے ساتھ مقام حمراء الاسد تک پہنچے جو مدینہ سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ادھر ابوسفیان نے نعیم بن مسعود اشجعی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو مرعوب کرنے کے لیے پیغام بھیجا کہ ابوسفیان اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ یہ وحشت ناک خبر سن کر مسلمان یک زبان ہو کر بولے: حسبنا اللہ و نعم الوکیل دوسری طرف معبد خزاعی جو کہ مکہ جا رہا تھا، جب اس نے راستہ میں دیکھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر کر رہا ہے تو اس نے بتایا کہ تم کس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے۔ میں نے اُن کا جم غفیر حمراء الاسد میں دیکھا ہے جو تمہارے تعاقب میں آ رہا ہے۔ اس خبر کا ابوسفیان پر یہ اثر ہوا اور اس پر ایسا رعب پڑا کہ وہ اپنا ارادہ بدل کر مکہ چلا گیا اور حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بہرحال جب کفار واپس چلے گئے تو آنحضرتؐ بھی اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ (تفسیر فصل الخطاب معارف القرآن تفسیر صافی، کاشف)

باختلاف روایات یہ واقعہ جنگ احد کے دوسرے روز وقوع پذیر ہوا۔ یا ایک سال کے بعد (تفسیر صافی)

بہرحال ان تین آیاتِ مبارکہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آنحضرتؐ کے انہی مخلص مومن اور جاں نثار صحابۂ کرام کی مدح و ثنا کی گئی ہے جو اس واقعہ میں کندن ہو کر نکلے، جو غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باوجود جدال و قتال پر آمادہ ہو گئے تھے اور دشمن کی جمعیت معلوم کر کے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا مومنانہ نعرہ لگایا تھا۔ اور پھر بغیر کسی ضرر و زیاں کے صحیح سلامت شاداں و فرحاں اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے تھے۔ ان واقعات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اطاعت رسولؐ اطاعت خدا ہے۔ اور حکم رسول حکم خدا ہے اور عمل کی روح رواں اخلاص ہے۔ اور یہ کہ جو خدا پر بھروسا کرتے ہیں خدا بھی ان کو ناشاد و نامراد نہیں کرتا۔ اور یہ کہ کلمہ مبارکہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل کے پڑھنے کے بڑے فوائد مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے روزانہ اس کا ایک سو بار پڑھنا مجرب ہے۔ (مفاتیح الجنان)

شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے اہل ایمان کو ڈراتا ہے

ذلکم الشیطان یخوف ....الآیۃ

ان الفاظ کے ترجمہ میں بعض اعلام نے اپنے تحیر و تردد کا اظہار کیا ہے کہ شیطان اپنے حوالی و موالی کو ڈراتا ہے۔ یا شیطان تمہیں اپنے حوالی و موالی سے ڈراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیطان اپنی اصلی صورت میں سامنے آ کر تو نہ حملہ کرتا ہے اور نہ ہی ڈراتا ہے۔ وہ جب بھی وار کرتا ہے تو کسی انسانی شکل و روپ میں آ کر کرتا ہے۔ یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں اس کا نمائندہ نعیم ثقفی تھا۔ بنابریں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اپنے دوستوں کے ذریعہ سے تمہیں ڈراتا ہے۔ یعنی بأولیائہ (قرطبی)

اور زجاج اور ابو علی فارسی کی تحقیق کے مطابق

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

﴿باب الحدیث﴾

اهل ایمان کے باهمی ملاقات کرنے کا اجر و ثواب

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے کہ فرمایا:

ع ویبقی الود ما بقی اللقاء

یعنی محبت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک باہمی میل و ملاقات باقی رہتی ہے۔ اور یہ آمد و رفت اور میل و ملاقات رفتہ رفتہ ختم ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ محبت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے حکماء اسلام یعنی سرکار محمدؐ و آلِ محمدؑ علیہم السلام نے اس میل و محبت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے باہمی میل و ملاقات اور باہمی زیارت پر بڑا زور دیا ہے۔ تاکہ رشتۂ محبت استوار ہو جائے اور کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ چنانچہ

❶ عبداللہ بن محمد جعفی حضرت امام محمد باقر یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں فرمایا: جو بندۂ مومن اپنے مومن بھائی کے حقوق کی معرفت رکھتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو خدا اس کے ہر ہر قدم پر ایک نیکی درج کرتا ہے اور اس کی ایک برائی مٹا دیتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔ اور جب وہ اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جب دونوں ایمانی آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو خداوند عالم ان کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے اور بزم ملائکہ میں ان پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ دیکھو کہ میرے دو مومن بندے کس طرح میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ میں آج کے بعد ان کو عذاب نہیں کروں گا۔ اور جب واپس جاتا ہے تو اس کے سانسوں اور قدموں اور کلام کی تعداد کے مطابق ملائکہ اس کی مشایعت کرتے ہیں اور دنیا و آخرت کی بلاؤں اور آفتوں سے اگلے سال تک کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اگر اس اثنا میں مر جائے تو خدا اس کا حساب و کتاب معاف کر دیتا ہے اور اگر مزور (جس کی زیارت کیلئے وہ مومن آیا ہے) وہ بھی زائر کے حق کی اسی طرح معرفت رکھتا ہے تو اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ (اصول کافی)

❷ ابن ابی حمزہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص محض خدا کی خوشنودی کی خاطر برادر مومن کی زیارت کرے نہ کہ کسی اور مقصد کے لیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ ثواب کی طلب و تڑپ کے لیے تو خدا ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کرتا ہے جو باآواز بلند اس سے کہتے ہیں: تو بھی پاک ہے اور تیرے لیے جنت بھی خوشگوار ہے۔ (اصول کافی)

❸ جابر حضرت امام محمد باقر علیہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان کرتے ہیں کہ مُجھے جبرائیل امین نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار خداوند عالم نے ایک فرشتہ کو زمین پر بھیجا اور وہ چلتے چلتے ایک دروازہ پر پہنچا جہاں ایک آدمی دق الباب کر رہا تھا۔ اس سے فرشتہ نے پوچھا تو یہاں کس کام کے لیے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں میرا ایک مُسلمان بھائی رہتا ہے محض خدا کی خوشنودی کی خاطر یہاں اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ اس پر فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں خداوند عالم کی طرف تیری طرف ایلچی ہوں وہ تُحفہ سلام کے بعد فرماتا ہے کہ میں نے تیرے لیے جنّت واجب قرار دے دی ہے اور فرماتا ہے کہ جو نیک مُسلمان اپنے مُسلمان کی محض میری خاطر زیارت کرتا ہے اس کا ثواب میرے نزدیک جنّت ہے۔ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی۔ درایۃ

لبِقتیہ: ظالموں کی مدد کرنا حرام ہے

مسائل واحکام

مسئلہ ۱: اگر کسی شخص کو کوئی حکومتی عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو حفظ جان و مال کی خاطر تقیۃً جائز ہے اور اسے چاہیے کہ تا بامکان اہل ایمان کے کام کرے چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ کفارۃ علی السلطان قضاء حوائج الاخوان کہ سُلطان جابر کے کام کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ اہل ایمان کے کام کیے جائیں۔ (فقیہ)

مسئلہ ۲: اگر ایسے شخص کو کسی ناجائز کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تو تقیۃً اس کام کا کرنا بھی جائز ہوگا بشرطیکہ کسی محفوظ الدم آدمی کے قتل کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ ورنہ پھر تقیہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ تقیہ ہوتا ہی حفظ مال و جان کے لیے ہے تو جب کسی کی جان تلفی تک نوبت پہنچ جائے تو تقیہ کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔ لانہ لا تقیۃ فی الدماء کما ورد فی الاخبار

لبِقتیہ: دین سے وابستگی کے حقیقی معیار

اس وقت جب پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور سب کے سامنے عذاب ہوگا اور تمام وسائل مُنقطع ہو چکے ہوں گے اور مرید بھی یہ کہیں گے کہ اے کاش ہم نے ان سے اسی طرح بیزاری اختیار کی ہوتی جس طرح آج یہ ہم سے نفرت کر رہے ہیں۔ خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کر پیش کرے گا اور ان میں سے کوئی جہنّم سے نکلنے والا نہیں ہے۔ (بقرہ ۲: ۱۶۶۔۱۶۷)

لہٰذا جب آپ کسی کی پیروی اختیار کرنا چاہیں تو اس بات کو دیکھ لیجیے گا کہ روزِ قیامت وہ کس حال میں ہوگا۔

یَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ (سورۃ انفطار ۸۲: ۱۹)

اس دن کوئی کسی کے بارے میں کوئی اختیار نہ رکھتا ہوگا۔ اور سارا اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

اَلۡيَوۡمَ تُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ ؕ لَا ظُلۡمَ الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ

آج ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور آج کسی طرح کا ظلم نہ ہو سکے گا۔ بے شک اللہ بہت تیزی سے حساب کرنے والا ہے۔ (سورۃ غافر ۴۰: ۱۷)

(اقتباس از خُطبۂ جُمعہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ)

باب المسائل (گزشتہ سے پیوستہ)

سوالات کے جوابات

بمطابق فتویٰ آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سائل: جناب سید عارف حسین نقوی ایم اے

سوال نمبر ۱۶۰: حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقصد شہادت کیا تھا؟ کیا ان کا مقصد حکومت پر قبضہ کرنا تھا؟ کیا امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ بلادِ اسلامی خصوصاً عراق اور کوفہ پر حکومت کریں؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! ع

بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم

کہ کچھ عرصہ سے خلافتِ نبویہ کو جس نہج پر چلایا جا رہا تھا اس نے بتدریج قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی شکل و صورت اختیار کر لی تھی۔ اب کھلے بندوں حکام اسلام احکام اسلام کی مخالفت کرتے تھے اور ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ عبادت و اطاعت میں شب زندہ داری کی جگہ راتیں دادِ عیش و عشرت دینے میں گزاری جاتی تھیں۔ پانی کی بجائے اب دورِ جام و سبو چلتا تھا۔ محرمات ابدیہ سے اب جنسی خواہش کی تسکین جائز سمجھی جاتی تھی اور نام نہاد حکام اسلام کے ان کافرانہ افعال کو عین اسلام قرار دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اگر نواسۂ رسولؐ اور جگر گوشۂ بتول حسین بن علیؑ خاموش تماشائی بن کر ان حالات کو دیکھتے رہتے یا یزید عنید کی بیعت کر لیتے تو پھر اس کے کافرانہ و ملحدانہ خیالات و حالات پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ایسے حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیعت یزید کا انکار کر کے اور شہادت کا راستہ اختیار کر کے تمام عالم پر اس حقیقت کو آشکار کر دیا کہ اسلام اور ہے اور موجودہ مسلمانوں کا بالخصوص ان کے حکمرانوں اور بالاخص یزید پلید کا کردار اور ہے۔ اس طرح امام عالی مقام نے جامِ شہادت پی کر قیامت تک اسلام کو ایک زندۂ جاوید حقیقت بنا دیا، اور یزید کے کافرانہ افعال و اعمال کو بے نقاب کر دیا۔ اس موضوع کی باقی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب سعادت الدارین کے بارھویں باب کا مطالعہ کریں۔

سوال نمبر ۱۶۱: "جہاں سے آیا ہوں مجھے واپس جانے دو اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کسی اور سرحد میں جانے دو"۔ (امام حسینؑ)

جب قیام کا مقصد تحفظ اسلام تھا تو اپنے قیام کے مقصد سے دست بردار کیوں ہوئے؟۔ جب مدبرین آپ کو حالات سے آگاہ کرتے تو آپ خاموش رہتے یا شہادت کی خبر دیتے۔ اب واپسی کا مطالبہ کیوں؟۔ آپ کو جناب مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر مل چکی تھی۔ آپ

اپنی شہادت اور خواتین کی اسیری کی خبریں دیتے رہے۔ پھر اب یہاں پہنچ کر کسی سرحد پر جانے کا مطالبہ کیوں؟ اور ابن سعد سے جنگ کے علاوہ کوئی راہ اختیار کرنے کے لیے مذاکرات کیوں؟۔ اگر مقصد قیام حکومت الٰہیہ کا قیام تھا تھا نہ یزید تخت سے اترا نہ امام تخت نشین ہوئے ---- ظاہری اسباب عنقا ہیں۔ بچے اور عورتیں ہمراہ ہیں۔ پھر یہ منصوبہ بندی کن محرکات کی مرہون منت ہے۔

ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں تا کہ پورے پاکستان میں دقائق اسلام کے ذریعہ سے وضاحت اور اصلی شکل سامنے آجائے۔

جواب باسمہ سبحانہ ! مقصد شہادت کی اوپر سوال ۱۶۰ کے جواب میں کماحقہ وضاحت کردی گئی ہے۔ اور جہاں تک امام حسین علیہ السّلام کے کسی سرحد کی طرف جانے کی خواہش کرنے یا زندہ صورت میں یزید کے پاس لے جانے کی خواہش کا تعلق ہے تو میں نے سعادت الدارین کے بیسویں باب میں اس کا بے بنیاد ہونا اور اس کا خلافِ درایت و روایت ہونا ثابت کیا ہے۔ یہی وہ امام حسینؑ ہیں جنھوں نے روز عاشوراء فرمایا تھا کہ الا ان الدعی بن الدعی قد رکز بین اثنتین بین السلۃ و الذلہ --- کہ حرام زادہ بن حرام زادہ نے مجھے دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ موت یا ذلت --- توہم شریفانہ موت کو کمینوں کی اطاعت پر ترجیح دیں گے۔ (تاریخ طبری و کامل)

عقبہ بن سمعان واقعہ نویس کربلا کا بیان ہے کہ میں حضرت امام کے مدینہ چھوڑنے کے وقت سے لے کر ان کی شہادت کے وقت آپ کے ہمراہ رہا۔ اس پورے سفر و حضر میں امام کی زبان حق ترجمان سے کبھی وہ جملہ نہیں سنا جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ امامؑ نے واپسی کا مطالبہ کیا تھا یا کسی سرحد کی طرف جانے کا تقاضا کیا تھا یا بیعت یزید کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ (تاریخ طبری)

یہ ابن سعد ملعون کی تہمت تراشی ہے یا اس کے ہمنواؤں کی الزام سازی۔ ورنہ امام علیہ السّلام اول سے آخر تک اپنے مقصدِ قیام اور اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا۔

بقول ظفر علی خان حضرت امام عالی مقامؑ نے گردن کٹوا کر اور نوکِ نیزہ پر بلند کرا کر اہلِ عالم کو یہ غیورانہ پیغام دیا کہ:

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نوکِ سنان پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

سوال نمبر ۱۶۲: علماء اصول دین اور اعتقادی مسائل میں یہ کہتے ہیں کہ اصولِ دین و عقائد میں تقلید صحیح نہیں ہے، بلکہ تحقیق ہونا چاہیے اور فروع دین میں تقلید ہوسکتی ہے، جب کہ قرآن، احادیث اور عقل تقلید کو چاہے وہ اصول میں ہو یا فروع میں مذموم قرار دیتے ہیں اور تحقیق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ علماء اصول دین میں تقلید ناجائز اور فروعِ دین میں ضروری قرار دیتے ہیں اس کی کیا توجیہ ہے یا دونوں میں کیا فرق ہے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! اصول کے اعتقاد رکھنے اور فروع پر عمل کرنے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اصول میں عقیدہ رکھا جائے اور عقیدہ میں یقین لازم ہوتا ہے اور

یقین دلیل و برہان سے حاصل ہوتا ہے۔ اور فروعِ دین میں چونکہ یقین کی بجائے وہ ظن کافی ہے جو شرعاً معتبر ہے۔ لہذا وہاں دلیل کو لازم قرار نہیں دیا گیا۔ علاوہ بریں یہ کہنا کہ قرآن و سنت اور عقل میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے، یہ بات علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ بلکہ جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ کور کورانہ تقلید ہے۔ جس طرح کفار و مشرکین حق و حقیقت کے بالمقابل اپنے آباء و اجداد کی کور کورانہ تقلید کا سہارا لیتے تھے۔ ورنہ پورے عالم انسانیت کا نظام آسیائے تقلید کی کِلّی کے اِرد گرد گھوم رہا ہے۔ علاج کرانا ہو تو اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کی تشخیص و تجویز پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں۔ مقدمہ لڑنا ہو تو اچھے وکیل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پھر اس کی ہدایات کے مطابق بلا چوں و چرا عمل کرتے ہیں۔ اور اگر مکان بنوانا ہو تو اچھے کاریگر کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور اس کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ اسی طرح بلا تشبیہ دینی مسائل معلوم کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے پہلے ایک جامع الشرائط مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ عالم اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین کے فرمان کے سوا اور کوئی فتویٰ نہیں دیتے۔ لہذا ہر مسئلہ پر اس سے دلیل کا مطالبہ کیے بغیر اس کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں۔ یہ وہ عقلائی طریقہ کار ہے جس کے انکار کرنے کی کوئی سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان جرأت نہیں کر سکتا۔ ارشادِ قدرت ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون. جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے بارے میں اہل ذکر سے سوال کرو۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا یہ دینِ فطرت اور یہ ہے فطرت کا تقاضا۔ اس کے سوا۔ ع

جو کچھ بھی مایۂ وہم و خیال ہے

سائل: سید باقر علی متعلم احیاء العلوم حیدریہ موچیانوالا ضلع منڈی بہاؤالدین

سوال تقلید اعلم واجب ہے یا نہ۔ اعلم کی تشخیص ممکن ہے یا نہ۔ وضاحت فرمائیں۔

جواب باسمہ سبحانہ۔ یہ درست ہے کہ تقلید اعلم کا وجوب یا عدم وجوب اور اس کی تشخیص کا امکان یا عدم دو الگ الگ موضوع ہیں۔ ہمارا اصل محوری مسئلہ یہ ہے کہ تقلید اعلم فی العالم واجب نہیں ہے اور اس عدم وجوب کی دو دلیلیں ہیں۔

1. ایک یہ کہ احادیث تقلید میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔
2. دوسری یہ کہ اعلم فی العالم کی تشخیص محال عادی ہے۔ جسے کوئی مُعجز نما ہی اعجاز نمائی کر کے بتا سکتا ہے کہ اعلم فی العالم کون ہے۔ اگر شریعت میں یہ بات واجب قرار دی جائے تو یہ تکلیف مالایطاق ہو گی جو کہ محال ہے۔

آپ کو اصل موضوع سمجھنے میں اشتباہ ہوا ہے۔ تبھی تو وہ احادیث پیش کی ہیں جن میں مقامی طور پر افضل و اعلیٰ و اتقیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی مذمت کی گئی ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پیشنمازی ہو یا فتویٰ نویسی یا تقلید تو جس علاقہ میں آدمی موجود ہو وہاں کے علماء میں سے افضل و اعلیٰ کی طرف ہی

رجوع کیا جائے گا۔ جس طرح عقلائے روزگار علاج کرانے، مقدمہ لڑنے یا مکان بنوانے کے سلسلے میں مقامی ڈاکٹروں میں اعلیٰ مقامی وکلاء میں افضل اور مقامی کاریگروں میں اکمل کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور یہی بات میں نے قوانین الشرعیہ کی پہلی جلد بحث اجتہاد و تقلید میں ثابت کی ہے۔ بات صرف تقلید اعلم فی العالم کے بارے میں ہے۔ آیا صرف اس مجتہد کی تقلید جائز ہے جو پورے عالم میں سب علماء سے بڑا عالم ہو، نہ اس کے وجوب پر کوئی دلیل ہے، نہ یہ ممکن العمل ہے اور نہ ہی یہ طریقہ عقلا کے مطابق ہے۔ نہ ہی آئین فطرت کے موافق ہے۔ ورنہ تاتریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود کے موافق ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر

سائل : محمد حیات سندرانہ

چک ۸ ایم ایل بھلوال سرگودھا

سوال کیا پیغمبرِ اسلام کی نماز جنازہ پڑھی گئ؟ کس نے نمازہ جنازہ پڑھائی۔ پڑھنے والوں کی تعداد کتنی تھی؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھی گئ اور حضرت علی علیہ السّلام نے پڑھائی۔

سوال کیا تمام ہاشمی نمازِ جنازہ میں شریک تھے؟۔

جواب باسمہ سبحانہ ! حسنین شریفین اور دیگر تمام اکابرین ہاشم اور بعض مخلص اصحاب باصفا نے شرکت فرمائی۔ (تفصیل منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغہ علامہ خوئی میں مذکور ہے۔)

بقیہ : کم از کم کس قدر معرفتِ خدا ضروری ہے؟

میں اپنا وقت عزیز ضائع نہ کریں۔ ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

محقق شیخ بہائی علیہ الرحمہ اپنی کتاب اربعین میں بذیل شرح حدیث دوم فرماتے ہیں :

المراد بمعرفة اللہ تعالیٰ الاطلاع علی امرتہ و صفاتہ الجلالیة بقدر الطاقة البشریة و اما الاطلاع علی حقیقة الذات المقدسة مما لا مطمح للملائكة المقربین و الانبیاء المرسلین فضلا عن غیرھم و کفی فی ذلك قول سید البشر فاعرفناك حق معرفتك۔

معرفت خداوندی حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ طاقت بشری کے مطابق اس کے صفات و کمالات پر اطلاع حاصل کی جائے لیکن جہاں تک اس کی اصل ذات کی حقیقت معلوم کرنے کا تعلق ہے غیر تو بجائے خود ملائکہ مقربین، انبیاء مرسلین بھی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

اس سلسلہ میں جناب سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہی کافی ہے کہ :

بار الہا ہم نے تجھے اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔

قد جائکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ و من عمی فعلیھا و ما انا علیکم بحفیظ

﴿باب الاعمال﴾

ظالموں کی مدد کرنا حرام ہے

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

مشہور بین الفقہاء یہ ہے کہ ظالموں کی ظلم میں امداد کرنا حرام ہے۔ بلاشک یہ بات تو عقل و نقل سے ثابت ہے مگر بعض فقہاء نے یہ قید نہیں لگائی۔ بلکہ علی الاطلاق ظالموں کی ہر قسم کی امداد کرنا اور ان کی امداد کرکے روزی کمانا حرام قرار دیا ہے۔ اور یہی قول قوی ہے۔ جسے بکثرت اخبار و آثار کی تائید مزید حاصل ہے۔

❶ ارشادِ قدرت ہے: لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ظالموں کی طرف میلان نہ کرو، ورنہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ھو الرجل یاتی السلطان فیحب بقائہ الی ان یدخل یدہ فی کیسہ فیعطبیہ

جو شخص ظالم بادشاہ کے پاس جائے اور سوال کرے اور اس کے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے کچھ دینے تک اس کی بقاء چاہے تو یہ بھی ان لوگوں کے گروہ میں شامل ہے جنھیں خدا تعالیٰ نے ظالموں کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے جہنم کی دھمکی دی ہے۔ (الکافی)

❶ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من مشی الی ظالم فقد خرج من الاسلام۔ جو شخص کسی ظالم کی طرف چل کر جائے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (مجموعہ شیخ ورام)

❷ نیز فرمایا: اذ کان یوم القیامۃ نادی مناد این اعوان الظلمۃ و اشباہ الظلمۃ حی من یرائھم قلما او لاق دواۃ قال فیجتمون فی تابوت من حدید ثم یرمی بہٖ فی جھنم۔

جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا دے گا کہ ظالموں کے مددگار اور ان سے مشابہت رکھنے والے حتی کہ جنھوں نے ان کے لیے قلم و دوات مہیا کی تھی کہاں ہیں؟۔ چنانچہ ان سب لوگوں کو لوہے کے ایک تابوت میں بند کیا جائے گا۔ اور پھر اس تابوت کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (ایضاً)

بہر نوع ظالم کی ملازمت کرنے والے اور اس کا کام کاج کرکے روزی کمانے کے متعلق بظاہر اخبار و آثار مختلف ہیں۔

❶ بعض میں شدید مذمت وارد ہے۔ جن کا ایک شمہ اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔

❷ اور بعض میں یہ وارد ہے کہ: ما من جبار الا

و معه مؤمن یدفع اللہ بہ من المومنین و ھو اقلھم حظافی الآخرۃ

کوئی ایسا جبار بادشاہ نہیں ہوتا جس کے پاس کوئی ایسا مومن نہ ہو جس کے ذریعہ سے خدا اہلِ ایمان کا دفاع کرتا ہے مگر قیامت کے دن جبار کی صحبت کی وجہ سے اس کا حصہ سب سے کم ہوگا۔

اس قسم کی بعض روایات میں وارد ہے کہ اگر ایسا شخص خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق چلے گا اور اپنا مددگار (ماتحت عملہ) بھی اہل ایمان میں سے رکھے گا، اور غریب اہلِ ایمان کی اعانت و مدد بھی کرے گا، تو کان ذا بذا و الا فلا تب یہ نیکی اس برائی (معونۃ ظالمین) کا بدل بن جائے گی ورنہ نہیں۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ)

۲ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ ایسے لوگ جو ظالموں کی ملازمت کر کے اہل ایمان کے کام کرتے ہیں اور فیض رسانی خلق کو اپنا مقصد حیات قرار دیتے ہیں، ان کے درجات سب سے زیادہ بلند ہوں گے ان کا حصہ سب سے زیادہ ہوگا اور وہ آتش جہنم سے آزاد کردہ ہیں۔

اولئك عتقاء اللہ من النار (فقیہ)

اِس سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

خداوند عالم نے ظالموں کے دروازوں پر کچھ ایسے لوگ مقرر کر رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے اولیاء کا دفاع کرتا ہے اور اہل اسلام و ایمان کے معاملات کی اصلاح کرتا ہے۔

وہ مومنوں کے ملجاء و ماوا ہیں۔ ان کے ذریعے سے ظالموں کے دار الظلم میں اہل ایمان سے ظلم و جور دور کیا جاتا ہے۔ یہ ہیں حقیقی مومن۔ یہ خدا کی زمین میں اس کے امین ہیں۔ بروز قیامت ان کا نور اس طرح چمکتا ہوگا جس طرح اہلِ زمین کے لیے تاروں کا نور چمکتا ہے۔ یہ جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور جنت ان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ (رجال کشی)

ان بظاہر باہم مخالف اخبار و آثار کے درمیان بعض محقق علمائے اعلام نے اس طرح جمع فرمائی ہے کہ یہ اختلاف ان ظالموں کی ملازمت اور ان کا کام کرنے والوں کی نیت کے اختلاف پر مبنی ہے۔

۱ اگر ایک شخص کا مقصد صرف حب دنیا اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال اور عہدہ کا حصول ہے تو وہ پہلے زمرہ میں داخل ہے۔

۲ اور اگر اس کا مقصد مذکورہ بالا باتوں کے ساتھ ساتھ نیکیاں کرنا اور اہل ایمان کے کام کرنا بھی ہے تو وہ دوسرے گروہ میں شامل ہے۔

۳ اور اگر اس کا مقصد اقتدار میں آنے کے بعد صرف نیکی کرنا اور اس کا حکم دینا، برائی سے رکنا اور دوسروں کو روکنا اور کمزور اہلِ ایمان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا۔ اور ان کی مطلب برآری کرنا، ظالموں کے ظلم و جور سے ان کو بچانا اور ان کے ساتھ بھلائی کر کے خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ تو یہ تیسری جماعت میں داخل ہے اگرچہ ایسے افراد کبریت احمر سے بھی کمتر ہیں۔

و ھو الحق الحقیق بالاتباع لان الحق احق ان یتبع و اللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

(باقی صفحہ ۸ پر)

﴿باب المتفرقات﴾

امام حسن عسکری علیہ السلام علماء اور عظماء اور بڑے لوگوں کی نظر میں

تحریر: علامہ علی محمد دخیل ○ ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی

ساری امت آئمۂ اہل بیت علیہم السلام والصلوات کی افضلیت پر جس طرح مجتمع ہوئی ہے کسی اور شخص کی افضلیت پر ایسی مجتمع اور متفق نہیں ہوئی۔

ان کی افضلیت و جلالت پر اگلے اور پچھلے لوگوں کا اجماع ہے۔ ان کے مناقب اور یادگار کارہائے نمایاں کی سارے علماء اسلام نے بات کی ہے۔ یہاں تک کہ دوسرے مذاہب کے علماء اور قدیم و جدید دانشوروں اور اربابِ فکر و نظر نے ان کے بارے میں لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت کی ہے۔ ان کے مکارم، فضائل اور امت پر ان کے احسانات کا ذکر کیا ہے۔

اہل سنت حضرات نے جو ان کے بارے میں لکھا ہے ممکن ہے وہ اس سے زیادہ ہو جو ان کے شیعوں نے لکھا ہے۔

اس میں تعجب بھی نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہ ایک ثقل، نفیس اور وزنی چیز ہیں۔ ان دو ثقلین میں سے جن کو رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے درمیان چھوڑ گئے ہیں۔

انہی کے گھر میں وحی کا نزول ہوا اور دعوتِ محمدیہ دنیا میں پھیلی۔

یہ حضرات اس دین کے محافظ و نگران ہیں اور اس پر قیام کرنے والے ہیں۔ امامت کے عروہ اور دستے اور امت کی قیادت ان ہی تک پہنچتی ہے۔

یہاں ہم امام حسن عسکری علیہ السلام کی فضیلت کی تعریف و توصیف میں علماء اور عظماء کے بعض اقوال پیش کرتے ہیں۔

❶ وزیر عبید اللہ بن خاقان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے بیٹا! اگر خلفائے بنی عباس کی امامت و حکومت کو زوال آجائے تو بنی ہاشم میں سے کوئی شخص ان (امام حسن عسکریؑ) کے علاوہ اس کا حقدار نہیں اور یہ ان کے فضل و کرم، صیانت (قبائح سے محفوظ رہنے) ان کے زہد و تقویٰ اور عبادت اور عمدہ اخلاق اور صلاح اور راست روی کی وجہ سے ہے۔ اگر تو نے ان کے والد کو دیکھا ہوتا تو ان کو بہت بڑا فیاض، شریف، نجیب اور صاحبِ فضل و کمال پاتا۔ (ارشاد صفحہ ۳۲۴)

❷ احمد بن عبید اللہ بن خاقان کہتا ہے کہ سامرا کے علویوں میں سے حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ بن علی رضاؑ جیسا نہ میں نے کسی کو دیکھا اور نہ کسی کو جانتا ہوں۔ ان کی ہدایت، سکون و وقار، عفت و پاکدامنی، شرافت و نجابت اور ان

کے اہلِ بیت اور سارے بنی ہاشم میں عظمت و بزرگی کے لحاظ سے ان کے کوئی مثل نہیں۔

اسی طرح قائدینِ لشکر اور وزراء اور عامۃ الناس کے یہاں چرچا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ میں ایک دن اپنے باپ کے پاس کھڑا تھا، وہ ان کا لوگوں سے ملاقات کا دن تھا۔ ان کے دربان اندر آئے اور کہنے لگے کہ ابومحمد بن رضاؑ دروازے پر ہیں، تو میرے باپ نے بلند آواز سے کہا کہ ان کو آنے دو۔ مجھے دربانوں کی بات پر اور ان کی جسارت پر تعجب ہوا کہ وہ میرے باپ کے سامنے کسی کو کنیت سے پکاریں۔ ان کے سامنے کسی کا نام کنیت کے ساتھ نہیں لیا جاتا تھا۔ سوائے خلیفہ، ولی عہد اور اس شخص کے کہ جس کے متعلق خلیفہ حکم دیتا کہ اسے کنیت سے پکارا جائے۔

ایک گندم گوں بہترین قد و قامت خوبصورت چہرے، عمدہ جسم کا نوجوان داخل ہوا، ان میں جلالت و عظمت اور بہترین ہیبت و دبدبہ تھا۔

میرے باپ ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ میں نے آج تک ان کو ایسا سلوک کسی ہاشمی یا قائد لشکر سے کرتے نہیں دیکھا۔ قریب جا کر انھوں نے اس جوان سے معانقہ کیا، ان کے چہرے اور سینے کا بوسہ لیا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مصلے پر بٹھایا اور ان کے پہلو میں خود بیٹھ گئے۔ ان سے مخاطب ہو کر گفتگو میں بار بار آپ پر قربان جاؤں کہتے۔ مجھے اس انداز گفتگو پر بڑا تعجب تھا۔

میں اس تلاش میں رہا کہ پتا کروں کہ یہ نوجوان کون ہے؟ چنانچہ میں نے بنی ہاشم، قائدین لشکر، دفتر کے افسرانِ اعلیٰ، قاضیوں، علماء، فقہاء اور عام لوگوں میں جس سے بھی سوال کیا انھوں نے ان کو انتہائی اجلال و اعظام، محل رفیع و بلند اور قولِ جمیل پایا۔ اور ان کے تمام اہلِ بیت اور بزرگوں سے مقدم پایا۔ میری نگاہوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہو گئی۔

میں نے ان کا کوئی دوست اور دشمن نہیں دیکھا مگر وہ ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتا تھا اور ان کی تعریف و توصیف کرتا تھا۔ (ارشاد صفحہ ۳۶۵)

۳ مجمع بن صلت نے آپ سے کہا: اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ اہلِ بیت پر ہوں جو ایسی ذریت ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض سے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا حق واجب ہے جس طرح امیرالمومنینؑ اور ان کے بعد کے ائمہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حق واجب ہے۔ حکمت اور امامت آپ تک منتہی ہوتی ہے۔ آپ اللہ کے ولی ہیں کہ جس سے جاہل رہنے کا کسی کا عذر قابلِ قبول نہیں۔ (البحار جلد ۲ صفحہ ۱۷۰)

۴ بختیشوع طبیب کا قول ہے کہ آپ ہمارے زمانے میں آسمان کے نیچے رہنے والے تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہیں۔ (البحار جلد ۲ صفحہ ۱۷۰)

۵ آپ سے خلیفہ کے کاتب انوش نصرانی نے کہا: ہم نے آپ لوگوں کو اس انجیل میں اللہ کے یہاں مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کے جیسا پایا۔ (صحیفۃ الابرار جلد ۲ صفحہ ۳۳۳)

۶ آپ کے بارے میں دیر عاقول کے راہب نے

کہا: یہ اپنی آیات ونشانیوں اور براہین اور دلائل میں مسیحؑ کی نظیر ہیں۔ وہ آپ کے بعض معجزات اور کرامات کا مشاہدہ کر کے اسلام لے آیا تھا۔

(صحیفۃ الابرار جلد ۲ صفحہ ۳۲۹)

❼ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے کہا: باقی رہے ان کے مناقب تو جان لینا چاہیے کہ وہ بلند ترین منقبت اور اعلیٰ ترین خوبی ہے جس کے ساتھ اللہ عزوجل نے آپ کو مخصوص کیا ہے۔ تنہا آپ ہی کو اس کا ہار پہنایا ہے۔ آپ کو اس کی زینت بخشی ہے۔ آپ ہی کی دائمی صفت قرار دی ہے کہ جس کی تازگی کو زمانہ پرانا نہیں کر سکتا اور جس کی بار بار تکرار کو زبانیں نہیں بھول سکتیں، یہ ہے کہ محمد مہدیؑ ان کی نسل ہیں۔ ان سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کے فرزند ہیں جو ان ہی کی طرف منسوب ہیں ان کا ٹکڑا ہیں جو ان ہی سے جدا ہوا ہے۔ الخ

(مطالب المسئول صفحہ ۸۸)

❽ شمس الدین ابو مظفر یوسف بن قزاغلی سبط بن جوزی نے کہا کہ آپ عالم اور ثقہ تھے آپ نے اپنے والد کے واسطے سے اپنے جدامجد سے حدیث بیان کی ہے۔

(تذکرۃ الخواص صفحہ ۲۰۲)

❾ علی بن صباغ مالکی نے کہا ہے کہ ہمارے آقا ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام کے فضائل و مناقب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ بلند مرتبہ سردار اور عظیم و سردار باپ کے بیٹے ہیں۔ آپ کی امامت میں کوئی شخص بھی شک نہیں کر سکتا۔

جان لو کہ اگر کوئی کرامت و بزرگی اٹھے تو ان کا غیر اس کا بائع ہوگا۔ اور یہ اس کے خریدار ہوں گے۔ اپنے زمانے کے منفرد شخص ہیں، جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کے لاثانی ہونے میں کسی کو اعتراض نہیں وہ اپنے اہلِ عصر کے سید اور اہلِ زمانہ کے امام ہیں۔ آپ کے اقوال و گفتار درست اور افعال و کردار قابلِ تعریف تھے۔

اگر آپ کے زمانے کے افاضل ایک قصیدہ تھے تو آپ اس قصیدے کا چیدہ اور چوٹی کا شعر تھے۔ اگر وہ ایک ہار کے دانے تھے تو آپ اس ہار کا درمیان قیمتی جوہر تھے۔ آپ علوم کے ایسے شاہسوار تھے جن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ گہرے پیچیدہ مسائل کو واضح کرنے والے تھے جن سے نہ کوئی بحث کر سکتا تھا اور نہ نزاع۔

حقائق کو اپنے صائب اور درست نظریے سے منکشف کرنے والے اور اپنی روشن فکری سے دقائق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ مخفی امور میں اپنے باطن سے ہی باتیں کرتے تھے۔ آپ کریم الاصل، کریم النفس اور کریم الذات تھے۔۔۔۔ الخ (الفصول المہمۃ صفحہ ۲۷۲)

❿ ابو العباس احمد بن یوسف دمشق قرمانی امام حسن بن علی عسکری رضی اللہ عنہ کے ذکر میں کہتا ہے کہ اصل زکی و پاکیزہ کے برج اور امر خفی کو منکشف کرنے والے آپ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۸ ربیع الاول ۲۳۲ھ آپؑ کی والدہ ام ولد (کنیز) تھیں۔ آپؑ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپؑ کا لقب خالص تھا۔ آپؑ کا رنگ گندم گوں سفید تھا۔ آپؑ کی انگوٹھی کا نقش تھا:

سبحان من لہ مقالید السموات والارض

آنجناب رضی اللہ عنہ نے دنیا میں زیادہ دقت نہیں

گزارا کہ آپ کے یادگار کارہائے نمایاں اور خوبیاں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتیں۔

ہیثم بن عدی سے روایت ہے کہ جب مُعتز نے ابو محمد حسنؑ کو کوفہ لے جانے کا حکم دیا تو ہیثم نے آپ کو لکھا کہ یہ کیا خبر ہے کہ جس نے ہم کو مضطرب کر دیا ہے۔ آپؑ نے جواب میں لکھا کہ تین دن کے بعد فرج و کشائش تم تک آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ مُعتز تیسرے دن قتل ہو گیا۔

آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ اس کے لیے غنیٰ اور تونگری کی دعا کریں کیونکہ اس کو فقر و فاقہ نے آ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا تجھے خوشخبری ہو کہ تیرا چچا زاد بھائی مر گیا ہے جو ایک لاکھ درہم چھوڑ گیا ہے عنقریب وہ رقم تیرے پاس آ جائے گی۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں میں وہ خبر اس کو ملی اور مال بھی اس خبر کے ساتھ تھا جیسا کہ آپؑ فرما چکے تھے۔ (اخبار الاول صفحہ ۱۱۷)

⓫ عبد الملک بن حسین بن عبد الملک عصامی مکی نے کہا کہ امام حسن عسکریؑ بن علی ہادی بن محمد جواد بن رضا بن موسیٰ کاظمؑ اپنے والد کے بعد امام ہیں۔ ائمہ میں سے گیارھویں ہیں۔ آپ کی والدہ ام ولد (کنیز) تھیں جن کا نام سوسن تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کے القاب خالص سراج اور زیادہ مشہور عسکریؑ ہے۔

آپؑ مدینے میں ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا حُلیہ مبارک گندم گوں اور سفید کے بین بین تھا۔

آپؑ کے ہم عصر بادشاہ مُعتز، مہتدی اور مُعتمد ہیں۔ آپؑ مُعتمد کی ابتدائی خلافت میں زہر سے شہید کیے گئے۔ جُمعہ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ میں سر من رائے (سامرا) میں آپ اپنے والد ہادیؑ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

آپؑ نے اپنے بعد اپنا اکلوتا بیٹا محمدؑ چھوڑا۔

(سمط النجوم العوالی جلد ۴ صفحہ ۱۳۷)

⓬ عبد اللہ شبراوی شافعی کہتے ہیں کہ ائمہ میں سے گیارھویں حسن خالص ہیں۔ ان کا لقب عسکریؑ بھی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۸ ربیع الاول ۲۳۲ھ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی جُمعہ ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس سال تھی۔

ان کی شرافت کے لیے اتنا کافی ہے کہ مہدی منتظر ان کے فرزند ارجمند ہیں۔ کیا کہنا اس بیت شریف اور اونچے نسب کا اور فخر اور علو قدر کے لیے یہی کافی ہے۔ وہ سب کے سب کریم اصل اور پاکیزہ جڑ والے ہیں جو کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ مجد اور بزرگی کے حصّوں کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ کیا کہنا اس عالی مرتبت گھر کا جس کا محل و مرتبہ بلند ہے، بلندی اور شرافت میں آسمان سے باتیں کرتا ہے قدر و منزلت میں سب سے اونچا ہے۔ اس نے صفاتِ کمال کو گھیر رکھا ہے جس کی غیر کے ساتھ اِستثناء نہیں ہو سکتی۔

یہ ائمہ مجد و بزرگی میں موتیوں کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔ شرف و بزرگی میں ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں۔ اس میں اول و آخر برابر ہیں۔ قوم نے ان کے منارے کو نیچا کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ لیکن اللہ نے اس کو اونچا کیا۔ ان کے اجتماع کو پراگندہ کرنے کے لیے سخت اور

نرم پر سوار ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو جمع کیے ہوئے ہے۔ ان کے کتنے حقوق انھوں نے ضائع کیے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نہ مُہمل چھوڑتا ہے اور نہ ضائع کرتا ہے۔

خدا ہم کو ان کی محبت میں زندہ رکھے اور اسی پر ہم کو موت دے۔ ہم کو ان کی شفاعت میں داخل کرے کہ جس کی طرف یہ حضرات منسوب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(الاتحاف بحُبِ الاشراف صفحہ ۶۸)

⑬ یوسف اسماعیل نبہانی نے کہا ہے کہ حسن عسکریؑ ہمارے سردار اہل بیت عظام کے آئمہ میں سے ایک ہیں۔ ان کے سادات کے کریم سرداروں میں سے ایک ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان کا تذکرہ شبراوی نے کتاب "الاتحاف بحُبِ الاشراف" میں کیا ہے۔ لیکن اس نے اختصار کے ساتھ آپ کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اور آپ کی کرامات کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ میں نے خود ان کی ایک کرامت دیکھی ہے۔۔۔الخ (جامع کرامات الاولیاء جلدا صفحہ ۳۸۹)

⑭ علی جلال حسینی کہتا ہے کہ ابو محمد زکی جن کو عسکریؑ بھی کہا جاتا ہے ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ فضل و کرم عفت و پاکدامنی اور زہد و عبادت میں اپنے زمانے میں منفرد تھے۔

مفید نے اس سے روایت کی ہے جس نے آپ کو دیکھا تھا کہ سرمن رائے (سامرا) میں علویوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں پہچانتا جو ہدایت و رہبری میں اور سکون و وقار میں سے حسنؑ بن علیؑ کی طرح ہو۔ آپ گندم گوں رنگ، اچھے قد و قامت اور خوبصورت چہرے اور عمدہ بدن والے تھے۔ آپ صاحب جلالت اور اچھی ہیبت کے مالک تھے۔ آپ کی وفات ۲۶۰ھ میں سرمن رائے میں ہوئی۔ آپ اپنے والد کے جوار میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۸ سال تھی۔

(الحُسین جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)

⑮ محمد امین غالب طویل کہتا ہے کہ گیارھویں امام حسن عسکریؑ ہیں۔ امام حسنؑ کے القاب زکی، خالص اور سراج ہیں۔ آپ نے سرمن رائے شہر کو اپنا وطن بنالیا۔ جس کا نام عسکر بھی ہو گیا تھا، اسی لیے آپ کو عسکری کہتے ہیں۔

اس امام کے زمانے میں عباسیوں کا خوف امامت کے رتبے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ وہ علویوں پر مصائب و آلام لائے اور ان پر ظلم و ستم ڈھاتے۔

خلیفہ نے تو ریحانہ رسُول حسینؑ شہید کی قبر مبارک منہدم کرنے، اس زمین کی طرف دریا کے رخ موڑنے، قبر پر ہل چلانے اور آپ کے زائرین کو قتل کرنے تک کی جسارت کر ڈالی۔

امام عسکری ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ مُعتمد بن متوکل نے آپ کو قید کر دیا۔ جب آپ کی کرامات ظاہر ہوئیں تو آپ کو رہا کیا۔ دوبارہ آپ پر توجہ اس طرح کی کہ آپ کے کھانے میں زہر ملانے کا حکم دیا۔ یہ ۲۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۸ سال تھی۔

آپ اپنی زندگی ہی میں اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے فرزند محمد ہی مہدی منتظر ہیں۔

(تاریخ الغلوبین صفحہ ۱۷۰)

(۱۹) خیر الدین زرکلی کہتا ہے کہ:

حسن بن علی ہادی بن محمد جواد حسینی ہاشمی ابو محمد گیارھویں امام مدینے میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حضرت ہادیؑ کے ساتھ سامرا عراق منتقل ہوئے۔ اس کا نام مدینۃ العسکر تھا۔ اسی لیے آپ کو عسکری کہا گیا۔ جیسے اس شہر سے منسوب ہونے کی وجہ سے آپ کے والد کو بھی (عسکری) کہا گیا۔

آپ کی امامت کی بیعت آپ کے والد کی وفات کے بعد کی گئی۔ آپ تقویٰ، زہد و عبادت میں اپنے سلف صالحین کے طریقے پر تھے۔ آپ کی وفات سامرا میں ہوئی۔

صاحب فصول المہمہ کہتا ہے کہ جب امام حسنؑ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو سر من رائے (سامرا) میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی اور وہ ہلنے لگا۔ ایک ہی چیخ بلند تھی، بازار خالی ہوگئے، دکانیں بند ہوگئیں۔ بنی ہاشم، قائدین لشکر، دفتروں کے افسر، قاضی اور دوسرے لوگ آپ کے جنازے کی طرف سوار ہو کر پہنچ گئے۔

آپ کو اسی گھر میں دفن کیا گیا جس میں آپ کے والد گرامی دفن تھے۔ (الاعلام جلد ۲ صفحہ ۲۱۶)

﴿باب المتفرقات﴾

چمن رسالت کے گیارھویں پھول حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

تحریر: ڈاکٹر ملک اِفتخار حسین اعوان سرگودھا

بارھویں امام حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت با سعادت کے پر مسرت موقع پر تمام مومنین کرام اور خصوصاً صاحب العصر والزمانؑ کی خدمت میں مبارک باد۔

ولادت باسعادت

شیخ حر عاملی کی تحقیق کے مطابق حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت باسعادت دس ربیع الثانی ۲۳۲ھ پیر کے دن ہوئی۔

اسم گرامی اور القاب

آپؑ کا اسم مبارک حسنؑ اور کنیت ابومحمدؑ ہے۔
اور آپؑ کے زیادہ مشہور القاب زکی اور عسکری ہیں۔ حضرتؑ کو اپنے والد ماجد اور دادا کی طرح ابن الرضاؑ کہا جاتا ہے۔

آپؑ کے والدین

آپ کے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں۔
آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حدیثہ اور ایک قول کے مطابق سلیل تھا، اور انھیں جدہ کہا جاتا تھا۔

والدین شریفین کی عظمت

والد ماجد کی طرف سے تو حضرتؑ کا سلسلہ نسب حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے ہوتا ہوا اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

البتہ والدہ ماجدہ بھی اپنے علاقہ کی شہزادی تھیں۔ بہت صالحہ اور صاحب تقویٰ تھیں۔ ان کی فضیلت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد شیعیانِ علیؑ کی پناہ گاہ اور دادرس تھیں۔

حضرت امام حسن عسکریؑ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا سن مبارک سولہ سال اور چند ماہ تھا۔

حضرت امام حسنؑ عسکری کی زندگی کے شب و روز

حضرت کی زندگی کے شب و روز قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے گزرے۔ امام حسن عسکریؑ صالح بن وصیف کے ہاں قید تھے۔ بنی عباس اس کے ہاں گئے۔ اور کہنے لگے کہ حسنؑ بن علیؑ پر مزید سختی اور تنگی کرو۔ صالح کہنے لگا کہ میں اس کے ساتھ کیا کروں۔ میں نے اسے ایسے دو افراد کے سپرد کیا ہے جو بدترین

خلائق تھے۔ ایک کا نام علی بن یارمش ہے اور دوسرے کا اقتامش۔ لیکن صحبتِ امام حسن عسکریؑ کی وجہ سے وہ دونوں صاحبِ روزہ و نماز ہو چکے ہیں۔ اور عبادت کے مقامِ عظیم تک پہنچ چکے ہیں۔ دونوں افراد کو بلا گیا۔ اور ان کی سرزنش کی گئی۔ اور کہا کہ وائے ہو تم پر۔ تمہارا اس شخص یعنی حسن بن علیؑ کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟۔

وہ کہنے لگے ہم کیا بتائیں اس شخص کے بارے جو دنوں کو روزے رکھتا ہے اور ساری رات عبادتِ خدا کرتا ہے۔ جو کسی سے بات نہیں کرتا۔ عبادت کے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتا۔ اور جس وقت ہم پر نظر کرتا ہے تو ہمارے بدن کانپنے لگتے ہیں۔ گویا ہم اپنے نفس کے مالک نہیں رہے۔ اور اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ جب بنی عباس نے سنا تو انتہائی ذلت کے ساتھ وہاں سے واپس چلے گئے۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؑ کے شب و روز کے بیشتر اوقات قید میں گزرے۔ اس سے قبل بھی حضرت خواص و غیر خواص سب کے ساتھ پس پردہ گفتگو فرماتے۔ سوائے ان اوقات کے جب آپ سوار ہو کر خلیفہ کے مکان پر جاتے۔ زیادہ تر مخفی رہتے۔

حضرت امام حسن عسکریؑ درندوں کے درمیان

حضرت امام حسن عسکریؑ کو نحریر کے سپرد کیا گیا۔ اس ملعون نے آپ پر انتہائی سختی کی۔ وہ آپ کو انتہائی تکلیف دیتا تھا۔ اس کی بیوی اس سے کہنے لگی اے شخص خدا سے ڈرو۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کون شخص قید ہے۔ اس خاتون نے حضرتؑ کے اوصاف بیان کرنے شروع کر دیے اور کہنے لگی میں تیری اس بدسلوکی سے تیرے متعلق خوفزدہ ہوں۔

نحریر ملعون کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں اسے درندہ خانے میں شیروں اور درندوں کے درمیان پھینکوں گا۔ پس اس نے خلیفہ سے اجازت لی اور آپؑ کو شیروں کی جگہ میں پھینک دیا۔ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ شیر آپؑ کو کھا جائیں گے۔ مگر جب اس نے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گیا کہ جناب حسنؑ عسکریؑ اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں اور درندے آپؑ کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں۔ گویا حفاظت کر رہے ہیں۔

حفاظت قرآن اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوشش

ابن شہر آشوب نے ابوالقاسم کوفی سے نقل کیا ہے کہ اسحاق کندی جو کہ فیلسوف عراق تھا، اس نے اپنے زمانہ میں ایک کتاب تالیف کرنا شروع کی۔ جس کا نام اس نے "تناقض فی القرآن" رکھا۔ اور خود کو اس کام میں اتنا مشغول رکھا کہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے گھر میں پابند ہو گیا اور ہمہ تن گوش ہو کر مصروف رہنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا ایک شاگرد حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا: کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ تمہارے استاد کندی کو اس کام سے روکے۔ وہ شاگرد کہنے لگا کہ ہم یہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟

حضرتؑ نے فرمایا: اگر میں تمھیں کوئی القاء کروں تو تم وہ اس تک پہنچاؤ گے۔ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: اس کے پاس جاؤ۔ اس کے ساتھ انس حاصل کرو۔

اس کی خدمت داری کرو۔ جب تمہارے درمیان اپنائیت اور انس پیدا ہوجائے تو اس سے کہو کہ ایک مسئلہ میری نظر میں آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ تجھ سے دریافت کروں۔ پھر اس سے پوچھو کہ اگر تیرے پاس کوئی قرآن کے متعلق گفتگو اور بحث کرنے والا آئے اور کہے کہ کیا یہ جائز و ممکن ہے کہ خداوند عالم نے اس کلام سے جو قرآن میں ہے اس معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا جو تو نے گمان کیا ہے ارادہ فرمایا ہو۔ تو وہ جواب میں کہے گا ہاں جائز ہے۔ کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جو اس بات کو جو سنے وہ سمجھ لیتا ہے۔ پس اس سے کہو شاید خداوند عالم نے قرآن میں اس معنی کے سوا کوئی اور معنی مراد لیا ہو جو معنی تو نے اس کا لیا ہے۔ اور اسے خدا کی مراد و مقصد سمجھا ہے۔ اور تو اس معنی کے علاوہ وہ معنی لکھ رہا ہے۔

پس وہ شخص اس کندی کے پاس گیا۔ اس سے ملاطفت و موانست کی۔ یہاں تک کہ اس پر وہ مسئلہ القاء کیا جو حضرتؑ نے اسے تعلیم فرمایا تھا۔

کندی کہنے لگا اس مسئلہ کا مجھ پر اعادہ کرو۔ اس نے دوبارہ بیان کیا۔ اس نے غور و فکر کیا۔ تو اس نے لغت و نظر کی بنا پر جائز اور محتمل پایا کہ کوئی دوسرا معنی مراد ہوسکتا ہے۔ کندی نے کہا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ مجھے بتا یہ مسئلہ تجھے کس نے تعلیم دیا۔ وہ کہنے لگا یہ بات میرے دل میں آئی ہے۔ وہ کہنے لگا اس طرح نہیں ہے جو تو کہتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا کلام نہیں جو تجھ سے سرزد ہو۔ کیونکہ تو ابھی اس مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ لہذا مجھے بتا کہ تو نے یہ کہاں سے لیا ہے؟۔

وہ کہنے لگا کہ امام حسن عسکریؑ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ کندی کہنے لگا: اب تو نے حقیقت حال کو واضح کیا ہے۔ اس قسم کے مطالب صرف یہ خانوادہ ہی بیان کرسکتا ہے۔ پھر آگ منگوائی اور جو کچھ اس سلسلہ میں تحریر کیا تھا سب جلا دیا۔

حضرت امام حسن عسکریؑ کے چند حکمت آمیز فرمودات

① فرمایا: جدال و نزاع نہ کرو ورنہ تمہاری خوبی اور حسن جاتا رہے گا۔ اور مزاح و تمسخر نہ اڑاؤ ورنہ تم پر جرأت کی جائے گی اور لوگ تم پر دلیر ہوجائیں گے۔

② فرمایا: تواضع یہ ہے کہ جس شخص کے پاس سے گزرو اس کو سلام کرو اور مجلس کی شریف اور بلند جگہ سے نیچے بیٹھو۔

③ فرمایا: وہ روزی کہ جس کی ضمانت خدا نے لی ہے وہ تجھے اس عمل سے محروم نہ رکھے کہ جو تجھ پر واجب ہے۔

④ فرمایا: ادب سے بہت بعید ہے کہ خوشحالی کا اظہار کسی محزون اور غمناک شخص کے سامنے کیا جائے۔

⑤ فرمایا: کسی شخص کا اس چیز کے ساتھ اکرام نہ کرو جو اس پر دشوار ہو۔

⑥ فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو علیحدگی میں وعظ و نصیحت کرے اس نے اس کو زینت دی۔ اور آراستہ کیا اور جس نے علانیہ (لوگوں کے سامنے) اسے وعظ کیا اس نے اسے عیب دار بنایا۔

⑦ فرمایا: جود و بخشش کا ایک اندازہ اور مقدار ہے

پس جب اس مقدار سے زیادہ ہو جائے تو وہ اسراف و فضول خرچی ہے۔ ہوشیاری اور احتیاط کی بھی ایک مقدار ہے۔ جب اس سے زیادہ ہو جائے تو وہ بزدلی اور خوف ہے۔ اقتصاد و میانہ روی کی ایک مقدار ہے۔ پس جب وہ اس سے زیادہ ہو جائے تو وہ بخل ہے۔ شجاعت و بہادری کی بھی ایک مقدار ہے۔ جب اس سے زیادہ ہو جائے تو وہ تہور و بے باکی ہے۔ اور تجھے اپنے نفس کو ادب سکھانے کے لیے تیرا ان چیزوں سے اِجتناب کرنا کافی ہے جنھیں اپنے غیر سے مکروہ اور ناپسند سمجھتا ہے۔

سلسلہ امامت کی راہنمائی

ابوالادیان سے روایت ہے کہ میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا اور آپؑ کے خطوط مختلف شہروں میں لے جایا کرتا تھا۔ پس اس تکلیف و بیماری میں کہ جس میں آپؑ نے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی، ایک دن مجھے بلوایا اور چند خطوط مدائن کے لیے لکھے اور فرمایا کہ پندرہ دن کے بعد تو دوبارہ سامرہ میں آئے گا اور میرے گھر سے صدائے گریہ وزاری سنے گا۔ اور مجھے اس وقت غسل دیا جا رہا ہو گا۔

ابوالادیان نے عرض کیا: اے مولا جب یہ واقعہ ہائلہ رونما ہو تو امر امامت کس کے سپرد ہو گا۔ فرمایا: جو شخص میرے خطوط کا جواب تجھ سے مانگے وہ میرے بعد امام ہو گا۔

میں نے عرض کیا: آقا کوئی اور علامت بھی بتائیے۔ فرمایا: جو شخص میری نمازِ جنازہ پڑھائے وہ میرا جانشین ہو گا۔

میں نے عرض کیا: آقا کچھ اور فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا: جو شخص بتائے کہ تھیلی میں کیا ہے وہ تمھارا امام ہے۔

ابوالادیان کہتا ہے کہ آپؑ کی شخصیت اور رعب مانع ہوا کہ میں پوچھتا کہ کون سی تھیلیاں؟۔ بہرحال میں نے خطوط پہنچائے۔ جوابات وغیرہ لے کر واپس آیا تو حضرتؑ کے گھر سے گریہ کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

بہرحال حضرتؑ کے فرمائے ہوئے علامات کے مطابق میں نے دیکھا کہ جب حضرتؑ کو غسل و کفن دے چکے اور جنازہ کا وقت آیا تو جعفر کذاب آگے بڑھا۔ جب اس نے چاہا کہ تکبیر کہے تو ایک بچہ تقریباً پانچ سال کی عمر انتہائی خوبصورت آگے بڑھا اور جعفر کی ردا کھینچ کر کہنے لگا اے چچا پیچھے ہو۔ میں اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہوں۔ نماز جنازہ کے بعد حضرت کو اپنے والد بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا اور نمازِ جنازہ کے بعد وہ بچہ میری طرف متوجہ ہوا۔ اور فرمایا اے بصری ان خطوط کے جواب مجھے دے جو تیرے پاس ہیں۔ اس طرح ان نشانیوں سے جو حضرتؑ نے بتائی تھیں ہم نے اپنے امام زمانہؑ کو پہچان لیا۔

شہادت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے جمعہ کے دن آٹھ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو نماز صبح کے وقت دار بقا کی طرف رحلت فرمائی۔

﴿باب المتفرقات﴾

نظامِ خلافت کیا ہے؟

تحریر : محمد حسین زیدی برستی

پاکستان میں جب بھی قوانین شریعت کے نفاذ کی کوئی بات ہوتی ہے تو فوراً نظامِ خلافت کے اجراء کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ نظام خلافت کی بات کرنے والوں میں سے کسی کو بھی یہ پتا نہیں ہے کہ نظام خلافت کیا ہے؟۔

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس لفظ کا استعمال قرآن کریم میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا :

واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خليفة

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (سورۃ البقرۃ ۲ : ۳۰)

اس لفظ سے بہت سے لوگوں نے دوسروں کو خوب بے وقوف بنایا اور بہت سے لوگوں نے خوب دھوکا کھایا۔

اس لفظ کے حوالے سے کسی نے کہا کہ :

1. خدا نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا۔
2. کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو کسی پہلی نسل کا خلیفہ بنایا جو ہلاک ہوگئی تھی۔
3. کسی نے کہا کہ خلافت بہت عظیم منصب ہے جس کو دیکھ کر تمام فرشتوں کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔
4. کسی نے کہا کہ فرشتوں کو یہ منصب اس لیے نہ ملا کہ فرشتے اِمتحان میں فیل ہوگئے۔
5. کسی نے کہا کہ آدم کو یہ منصب اس لیے ملا کہ وہ فرشتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوگئے۔
6. کسی نے کہا کہ یہ وہ عظیم امانت ہے جس کا بار سوائے انسان کے کوئی نہ اٹھا سکا۔
7. کسی نے کہا کہ خدا نے آدم کو فرشتوں کا خلیفہ بنایا۔
8. کسی نے کہا کہ خدا نے ہر انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔
9. کسی نے کہا کہ خدا نے کسی فرد واحد کو نہیں بلکہ انسانوں کی جماعت کو خلیفہ بنایا۔
10. اور مولانا مودودی نے تو حد ہی کردی۔ انھوں نے فرمایا کہ : "ہر وہ قوم جِسے زمین کے کسی حصہ میں اقتدار حاصل ہوتا ہے دراصل وہاں وہ خدا کا خلیفہ ہوتی ہے"۔ (خلافت وملوکیت صفحہ ۲۴)

آئیے تمام قرآنی آیات کو سامنے رکھ کر اور لغت سے اس کے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے خلیفہ یا خلافت کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں کہ آیا خلافت کوئی

منصب یا عہدہ ہے یا نہیں اور خلیفہ یا خلافت کا حکومت اور اقتدار سے کوئی واسطہ اور تعلق ہے یا نہیں؟

خلیفہ کے لغوی معنی کی تحقیق

روزنامہ "جنگ" ۲۷ر اکتوبر ۱۹۸۵ء لاہور ایڈیشن میں ایک مضمون بعنوان "خلافت و ملوکیت" شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں لغت کی کئی کتابوں اور تفسیروں سے لفظ "خلیفہ" کے معنی نقل کیے گئے تھے۔ اس مضمون میں لغت کے اعتبار سے لفظ "خلیفہ" کا کافی تحقیقی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ لہذا ہم لغت کی حد تک اس مضمون سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے:

"خلیفہ" کا کلمہ "خلف" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی جانشین ہونا، پیچھے آنا، کسی کی جگہ لینا اور بدل یا قائم مقام بننا ہے اور خلیفہ کے معنی پیچھے آنے والا، جانشین یا قائم مقام ہے۔ "تا" اس میں مبالغہ کے لیے ہے۔ لغات ستینگاس ملٹن کوون، تکمہ الاحناف الکریتی، مجمل اللغۃ احمد بن فارس، لغات القرآن عبد الرشید نعمانی، تفسیر طالقانی اور کشف الاسرار انصاری۔

پھر سید محمود طالقانی کی پرتوی از قرآن (۱۔۱۱۲) حوالہ سے لکھتے ہیں:

"خلیفه" از "خلف" کسی که جای دیگری بنشیند و قائم مقام او باشد و کار او را سامان بخشد و "تا" برائے مبالغه است.

"خلیفہ" "خلف" سے ہے وہ آدمی جو کسی کا جانشین یا قائم مقام ہو اور اس کے کام کو آگے بڑھائے "تا" مبالغہ کے لیے ہے۔

خواجہ عبداللہ انصاری کی تفسیر کشف الاسرار و عدۃ الاسرار (۱: ۱۳۳) کے حوالہ سے انی جاعل فی الارض خلیفۃ کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آدم را خلیفة نام کرد از بهر آنکه بر جای ایشان نشست که پیش از وی بودند در زمین و فرزندانش هر قرن که آئیند خلف و بدل ایشان باشند که از پیش بودند".

آدم کو اس لیے خلیفہ کے نام سے پکارا گیا کہ اس نے زمین پر ان لوگوں کی جگہ لی جو اس سے پہلے تھے۔ (اور اس لیے کہ) ہر قرن میں اس کی اولاد ان لوگوں کی جگہ لے گی اور ان کا بدل بنے گی جو ان سے پہلے ہوں۔

لغت اور تفسیر کی اتنی کتابوں سے اس لفظ کے لغوی معنی لکھنے کے بعد فاضل مضمون نگار نے جو نتیجہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

"اب اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے اکثر و بیشتر لوگ خلیفہ کے معنی خدا کا نائب کر جاتے ہیں حالانکہ لغوی طور پر اس کے یہ معنی نہیں بنتے"۔

اس کے بعد امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"یہ نیابت کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ موت کے سبب بھی ہو سکتی ہے اور عجز و معذوری کے سبب بھی۔ محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے بھی ہو سکتی ہے"۔

لغت کی مذکورہ کتابوں سے خلیفہ کے لغوی معنی لکھنے کے بعد فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں:

"جن مسلمانوں نے خلیفہ سے مراد حاکم یا شہنشاہ یا ظل اللہ لی ہے، انھوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور عملی طور پر اس سے بڑی قباحتوں نے جنم لیا"۔

یقیناً ہر غیر جانبدار اور منصف مزاج محقق کو فاضل مضمون نگار کے اس فیصلہ سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے خلیفہ کے معنی نہ تو حاکم کے ہیں اور نہ ہی بادشاہ کے، نہ ہی امیر کے ہیں اور نہ ہی فرمانروا کے۔

مذکورہ مضمون کے علاوہ اب ہم لغات کی دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

ابن اثیر جزری نے "نہایۃ اللغۃ" میں فخلف من بعدھم خلف کے معنی تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

کل من یجی بعد من مضی الا انہ بالتحریک فی الخیر و بالتسکین فی الشر"۔ یعنی "خلف" خواہ تحریک کے ساتھ ہو یا سکون کے ساتھ اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو مرنے والے کی جگہ لیتا ہے۔ اور اس کے بعد آتا ہے۔ مگر "خلف" "ل" کی تحریک سے خیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور "خلف" "ل" کے سکون سے شر کے معنی میں آتا ہے۔ اس کے بعد ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب نہایۃ اللغۃ میں "خلف" کی لغت میں اس طرح بیان کیا ہے:

و فی حدیث ابوبکر جائہ اعرابی فقال لہ انت خلیفۃ رسول اللہ فقال لا قال فما انت قال انا الخالفۃ۔

الخلیفۃ من یقوم مقام الذاھب و یسد مسدہ و الھاء فیھا للمبالغۃ و جمعہ الخلفاء علی معنی التذکیر لا علی اللفظ مثل ظریف و ظرفاء و یجمع علی اللفظ الخلائف کظریفۃ و ظرائف و اما الخالفۃ فھو الذی لا غنی عندہ و لا خیر فیہ"۔

یعنی ابوبکر کی روایت میں آیا ہے کہ ان کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا کہ کیا تم رسول اللہ کے بعد ان کے خلیفہ ہو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا میں خلیفہ رسول اللہ نہیں ہوں۔ اعرابی نے کہا کہ پھر آپ کیا ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں تو "خالفہ" ہوں۔

اس کے بعد ابن اثیر جزری خلیفہ اور خالفہ کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جو جانے والے کے مقام اور مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے۔ اور "ہا" اس میں مبالغہ کے لیے ہے اور اس کی جمع "خلفاء" آتی ہے۔ بر معنی تذکیر نہ بر بنائے لفظ جیسے ظریف و ظرفاء اور لفظ کی بنا پر خلایف جمع ہوتی ہے۔ جیسے ظریفۃ و ظرائف۔

رہا "خالفہ" تو وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا نہ کوئی مطلب ہو نہ اس میں کوئی خیر ہو۔ لغت کی ان تمام کتابوں سے ثابت ہوا کہ از روئے لغت نہ تو "خلیفہ" خدا کا نائب ہوتا ہے اور نہ ہی خلیفہ کے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں اور نہ ہی والی و فرمانروا کے، البتہ "نہایۃ اللغۃ" کی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو جانے والے کے مقام و مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کم از کم حضرت ابوبکر کے ابتدائی ایام میں خلیفہ کا لفظ

حکمرانوں اور بادشاہوں کے لیے کنفرم نہیں ہوا تھا، ورنہ حضرت ابوبکر اس سے انکار نہ کرتے۔ کیونکہ بہرحال وہ حکمران یا امیر تو بن ہی گئے تھے۔

بلکہ مولانا مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر کو بھی اس لفظ کے معنی کی وجہ سے خود کو خلیفہ کہلانے میں تذبذب تھا۔ مولانا مودودی اپنی کتاب کے صفحہ ۸۸ پر طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۰۶۔۳۰۷ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت عمر نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟۔ پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر لکھتے ہیں: "ایک موقع پر حضرت عمر نے اپنی مجلس میں کہا: "خدا کی قسم میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ اگر بادشاہ ہو گیا ہوں تو یہ بڑی سخت بات ہے"۔

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۸۸)

حضرت عمر کے لیے مشکل یہ تھی کہ وہ حضرت ابوبکر کے بعد مسلمانوں کی حکومت کے فرمانروا بنے تھے، لہذا وہ حضرت ابوبکر کے جانشین تو تھے لیکن پیغمبر کے جانشین نہیں کہلا سکتے تھے اور پیغمبر نے اس کثرت سے یہ فرمایا تھا کہ میرے بارہ جانشین ہوں گے جو میرے کام کو جو ہدایت و رہبری ہے جاری رکھیں گے اور اس کے لیے آپ نے سب کے لیے ہی اپنے خلیفہ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ یعنی وہ سب کے سب امام و ہادی خلق اور رہبر و رہنما ہوں گے اور میرے اس کار ہدایت کو جاری رکھیں گے جو خدا نے میرے ذمہ لگایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

انك لتهدی الی صراط مستقیم

اے رسولؐ بے شک تم صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہو۔ لوگوں کے ذہنوں میں پیغمبر کا بار بار دہرایا ہوا یہی لفظ خلیفہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے حضرت ابوبکر کو رسول کا خلیفہ کہا تو انھوں نے انکار کیا اور جب لوگ حضرت عمر کو خلیفہ کہنے لگے تو وہ بھی اپنے تذبذب کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے کہ انھیں خلیفہ کہلانا چاہیے یا بادشاہ۔ اور یہ تذبذب اس حد تک تھا کہ انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ "خدا کی قسم میں ابھی تک یہ نہیں سمجھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ"۔

حضرت عمر کا قسم کھا کر یہ کہنا ایسی بات نہیں ہے جس کو در خور اعتناء نہ سمجھا جائے اور شاید اسی تذبذب کو دور کرنے کے لیے حضرت عمر نے اپنے لیے امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا جسے علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق کے صفحہ ۶۱۱ پر حضرت عمر کی اولیات میں شمار کیا ہے۔

(الفاروق ص ۶۱۱)

خلیفہ یا خلافت فی نفسہ کوئی منصب نہیں

اب تک کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلیفہ کے معنی لغت کے اعتبار سے امیر یا حکمران یا بادشاہ یا فرمانروا کے نہیں ہیں اور نہ ہی خلیفہ یا خلافت حکومت کا کوئی عہدہ یا منصب ہے، بلکہ خلیفہ کے جو معنی "نہایۃ اللغۃ" میں ابن اثیر جزری کے قول سے ثابت ہیں وہی اس کے اصل معنی ہیں۔

یعنی جو شخص جانے والے کے منصب، مقام اور مرتبہ میں اس کی جگہ لے اور اس کے کام کو جاری رکھے

وہ اس منصب، مقام اور مرتبہ میں اس کا جانشین ہوتا ہے۔ اور اس منصب، مقام اور مرتبہ کا حامل ہوتا ہے جس کی اس نے جگہ لی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کا جانشین بنے گا اور اس کی جگہ لے گا تو وہ بادشاہ بنے گا اور بادشاہ کہلائے گا۔ یعنی وہ اس بادشاہ کی جگہ لینے کی وجہ سے تو اس کا جانشین یعنی خلیفہ ہوگا اور منصب اور مقام کے اعتبار سے وہ بادشاہ کہلائے گا۔

اسی طرح صدر کی جگہ لینے والا صدر کا جانشین یعنی خلیفہ ہوگا اور صدر کہلائے گا اور وزیراعظم کی جگہ لینے والا وزیراعظم کا جانشین یعنی خلیفہ ہوگا اور وزیراعظم کہلائے گا۔ وعلیٰ ہذہ القیاس نبی کا جانشین نبی، رسُول کا جانشین رسُول اور امام وہادی خلق کا جانشین امام وہادی ہوگا۔ چونکہ قرآن کی سند کی رو سے نبوت ختم ہو چکی ہے لہذا پیغمبر کے بعد کوئی نبی تو نہ ہوگا لیکن قرآن ہی کی سند کی رو سے امامت و ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور امامت بھی نبوت کی طرح ایک مُستقل الٰہی منصب ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب "حکومتِ الٰہیّہ" میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ لیکن موضوع کی مناسبت سے اس مقام پر بھی مختصر طور پر تحریر کیا جاتا ہے۔

امامت نبوت سے الگ ایک مستقل الٰہی منصب ہے

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انبیاء اور رسُولوں میں سے سب سے پہلے جس کی امامت کا اعلان فرمایا وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تھے۔ یعنی وہ خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اور رسُولوں میں سب سے پہلے امام ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ:

و اذ ابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماما قال و من ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین۔ (سورہ البقرۃ ۲ : ۱۲۴)

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ کا اس کے رب نے کئی باتوں مین امتحان لے لیا اور ابراہیمؑ نے ان کو پورا کردیا۔ (تب خدا نے) فرمایا کہ میں تم کو کل آدمیوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔ (ابراہیم نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (خدا نے) فرمایا جو ظالم ہوں گے وہ میرے عہد سے فائدہ نہ اٹھائیں گے"۔

اکثر علماء اور دانشوروں نے اس بات میں غور ہی نہیں کیا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ خلیفہ اور اس کے مُشتقات آئے ہیں ان کی اضافت اور نسبت ہر جگہ "الارض" کے ساتھ ہے جیسے فی الارض خلیفة یا خلفاء الارض یا خلائف فی الارض وغیرہ اور امام کی اِضافت اور نسبت ہر جگہ انسانوں کے ساتھ ہے جیسا کہ فرمایا:

انی جاعلك للناس اماماً۔

میں تجھے کل انسانوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔

خلیفہ اور یہ اضافت اور نسبت ہی ان دونوں کے معنوں میں فرق ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ یعنی لفظ خلیفہ زمین میں بسانے اور دوسروں کی جگہ زمین میں آباد کرنے کے لیے آیا ہے اور امام انسانوں کی ہدایت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور ہادی کے معنی دیتا ہے۔ لہذا ان دونوں کے ایک ہی معنی لینا صحیح نہیں ہے۔

بعض علماء جو امامت کو نبوت سے علیحدہ کوئی اور خدائی منصب نہیں مانتے وہ ابراہیمؑ کی امامت کے اعلان

کو ان کی نبوت کا اعلان قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابراہیم کو یہ منصب نبی کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہوئے کئی امتحانوں اور آزمائشوں میں کامیابی کے بعد ملا تھا۔ جس کی دلیل آیت میں مذکور لفظ فاتمھن ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے بابل میں رہتے ہوئے ستارہ پرستوں، چاند کی پرستش کرنے والوں، سورج کی پوجا کرنے والوں اور بت پرستوں کے ساتھ جتنے مناظرے مباحثے مبازرے اور مجاہدے کیے تھے وہ ایک نبی کی حثیت سے سرانجام دیے تھے۔ لیکن بابل میں رہتے ہوئے سوائے حضرت لوط کے ان پر کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

فامن لہ لوط و قال انی مھاجر الی ربی انہ ھو العزیز الحکیم (سورۃ العنکبوت ۲۹ : ۲۶)

بابل میں رہتے ہوئے صرف لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔ (اور جب ابراہیمؑ نے بابل سے ہجرت کا ارادہ کیا تو لوطؑ نے) کہا کہ میں بھی اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے اور خدا نے جس امتحان اور آزمائش کو کھلی ہوئی اور واضح آزمائش اور امتحان قرار دیا ہے وہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے بابل سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں پیش کی، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

ان ھذا لھوالبلاء المبین

بے شک یہی وہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔

لہذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بابل سے ہجرت کرنے کے بعد اور حضرت اسماعیل کی قربانی کے امتحان میں سرخرو ہو کر نکلنے پر جس عہدہ امامت کا خدا نے ابراہیمؑ کے لیے اعلان کیا تھا وہ ان کی نبوت کا اعلان تھا، سراسر غلط اور باطل ہے۔ اور پہلے سے کیے ہوئے فیصلے اور پہلے سے ذہن میں بٹھائے ہوئے عقیدہ کو نبھانے کے لیے محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔

بقیہ: غزوۂ بدر الصغریٰ کا تذکرہ

یخوف کا پہلا مفعول محذوف ہے جو ضمیر جمع مذکر حاضر ہے جو یعنی یخوفکم اور دوسرا مذکور ہے جو اولیائہ ہے۔ بنابریں ترجمہ یہ ہوگا کہ شیطان تمھیں اپنے حوالی موالی (دوستوں) سے ڈراتا ہے۔ چنانچہ ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے اور اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے: فلا تخافوھم تم ان سے نہ ڈرو جن سے شیطان ڈراتا ہے بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اس طرح ھم کی ضمیر کا مرجع اولیاء قرار پائے گا۔ اور یہ بفضلہ تعالیٰ بالکل واضح مطلب ہے جس میں کوئی ایچ پیچ نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے: اولیاء الشیطان سے نہ ڈرو۔ اگر سچے مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔ اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے اللہ کی حکم عدولی اور نافرمانی سے ڈرنا۔ ورنہ اللہ کوئی ڈراؤنی چیز نہیں کہ جس سے ڈرا جائے بلکہ وہ تو محسن و منعم اور رحمٰن و رحیم اور رؤف و رحیم ہونے کی وجہ سے محبت و پیار کرنے کے لائق ہے۔

باب المتفرقات

دین سے وابستگی کے حقیقی معیار

تحریر: آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ دام ظلہ

دینی اقدار سے لوگوں کی وابستگی کے مختلف طریقے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ افراد معاشرہ کے حوالے سے اپنی خدمات، طرزِ عمل اور معاشرتی مقام کے حوالے سے مختلف حیثیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو بقول قرآن کریم لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ یعنی بعض لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، یا خانۂ خدا کی دیکھ بھال کرتے ہیں، جب کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کو پیغامِ الٰہی اور دین خدا کے لیے وقف کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کے اذہان تبدیل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ تاکہ ان کی عقول باطل سے دور رہتے ہوئے حق و حقیقت کی تولید کریں اور ان کے قلوب بغض و عداوت سے دور رہتے ہوئے محبت سے سرشار ہوں اور ان کی زندگی بھلائی اور خیر کی راہ پر رواں دواں ہو، نہ کہ شر اور فساد کے راستے پر۔ ان کی سرگرمیاں خدا کی طرف دعوت دینے، راہِ خدا میں جہاد کرنے، دین کی راہ پر فداکاری اور کمزور و لاچار انسانوں کی مدد و حمایت کے لیے ہوتی ہیں۔

دنیاوی اقدار پر افتخار

خداوند عالم نے بعض آیاتِ قرآنی میں اس موضوع کو بیان کیا ہے۔ سیرتِ نبویؐ میں آیا ہے کہ ایک دن مکہ میں رسول کریمؐ کے چچا عباس بن عبد المطلب، طلحہ بن شیبہ اور امام علی بن ابی طالبؑ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عباس بن عبد المطلب اور طلحہ بن شیبہ اپنے دنیاوی افتخارات گنوانے لگے، اور بظاہر امام علیؑ اس معاملے سے علیحدہ رہے اور ان کی باتیں سننے کے بعد آپ نے ان کی اصلاح فرمائی۔

طلحہ کہنے لگے: بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہے، میں جیسے چاہوں اس کے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہوں۔ عباسؓ کہنے لگے: میں اس کے زائرین کو پانی پلانے کا ذمے دار ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آپ لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں (کیونکہ آپ کوئی اہم کام انجام نہیں دے رہے اور آپ کا یہ کام کسی قدر و قیمت کا مالک نہیں جس کی وجہ سے انسان کسی فضیلت پر فائز ہو۔) میں نے دوسرے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ رو نماز پڑھی ہے۔ (میں ایمان اور عبادت کے اعتبار سے آپ لوگوں سے آگے ہوں اور خدا کے ساتھ بہترین اور نزدیک ترین رابطہ رکھتا ہوں) اور میں نے جہاد کیا ہے۔ میں وہ ہوں جس نے اپنی جوانی کے ایام میں

رسُول خدا کی معیت میں جہاد کیا ہے اور مکہ کے دور میں آپ کا دفاع کیا ہے۔ قریش کے مشرک پیغمبر اسلام کو اذیت و آزار پہنچانے کے لیے جن بچوں کو بھیجتے تھے میں انھیں آنحضرت سے دور کرتا تھا اور دین خدا کو نیست و نابود کرنے کے لیے مشرکین جن جنگوں کی آگ بھڑکاتے تھے میں ان میں پیغمبر کے ہمراہ ہوتا تھا۔

خداوند عالم نے اس گفتگو کو ہمیشہ کے لیے جاوداں بنا دیا اور جو لوگ بھی اس انداز سے ایک دوسرے پر برتری اور فضیلت جتاتے ہیں انھیں خطاب کر کے فرمایا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس کا جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے"۔ کیا تم ان دونوں کو ایک دوسرے کے برابر سمجھتے ہو؟۔ (توبہ ۹: ۱۹)

ان دونوں حضرات نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حجاج کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی دیکھ بھال کرنا ہی فضیلت اور قدر کی بات ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جب کبھی مسجد الحرام میں کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو تو اس کی مرمت کر دینا ہی فضیلت اور برتری کی بات ہے۔ کیا تم نے اس عمل اور خداوند عالم اور روزِ قیامت پر ایمان اور راہِ خدا میں جہاد کو یکساں سمجھ رکھا ہے؟۔

خدا اور روزِ قیامت پر ایمان اور راہِ خدا میں جہاد علیؑ کے کام ہیں۔ جن کے ذریعے اسلام کے قدموں کو ثبات و استحکام ملا، اور اسلام کو مشرکین کے دباؤ سے نجات ملی، یہاں تک کہ اسلام مشرکین کی قوت کے سامنے مضبوط قدموں سے کھڑا ہو گیا اور انھیں شکست سے دوچار کر سکا۔

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

ہرگز یہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں جان اور مال سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک عظیم درجے کے مالک ہیں اور درحقیقت وہی کامیاب بھی ہیں۔ (سورہ توبہ ۹: ۱۹-۲۰)

یہ آیت کریمہ اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے لیکن یہ بنیادی معیار ہمارے حوالے کرتی ہے کہ جب ہم لوگوں کی قدر و قیمت کا تعین کرنا چاہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کن اقدار پر کاربند ہیں اور کس قدر قرب الٰہی کے لیے کوشاں ہیں۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا

اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں اجرِ عظیم عطا کیا ہے۔ (سورہ نساء ۴: ۹۵)

ممکن ہے بعض لوگ اچھے کام انجام دیں جو ان کی فضیلت اور برتری کا سبب ہوں لیکن عظیم فضیلت اور برتری کے مالک مجاہدین راہِ خدا ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ دین خدا اور امتِ اسلامی کو نجات دلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کلمۃ اللہ بلند و بالا ہو اور کلمۂ شیطان نیچا ہو۔

مومن اور مُفسد کی برابری کی نفی

ایک اور مقام پر خداوندعالم فرماتا ہے اور ہمیں چاہیے کہ لوگوں کی حمایت کرتے اور ان سے وابستہ ہوتے وقت اس فرمانِ الٰہی کو مدنظر رکھیں۔ فرماتا ہے:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ (سورہ ص ۳۸ : ۲۸) (کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں جیسا قرار دے دیں؟) کیا وہ لوگ جو محض اس بنا پر کہ گمراہ افراد ہمیں زیادہ مال و دولت دیتے ہیں ہمیں زیادہ عہدے اور منصب عطا کرتے ہیں، یا فقط اس بنا پر کہ ہمارے ملک، ہمارے فرقے یا ہماری پارٹی سے ان کا تعلق ہے، فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں، ظالموں کی مدد کرتے ہیں، زمین میں فساد بپا کرتے ہیں، ان لوگوں کے برابر ہوسکتے ہیں جو زمین میں اصلاح کرتے ہیں، اسے آباد کرتے ہیں اور امتِ اسلامیہ کی سربلندی اور مضبوطی کے لیے اس کی مدد و حمایت کرتے ہیں۔ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ (سورہ ص ۳۸ : ۲۸) یا صاحبانِ تقویٰ کو فاسق و فاجر افراد جیسا قرار دے دیں۔

پس جو کوئی ایسا کرے اور انھیں برابر سمجھے اس نے دین سے کچھ نہیں پایا، چاہے وہ نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہو۔ کیونکہ دین خدا پسند پالیسی اختیار کرنے اور تمام امور میں ان چیزوں کو پیش نظر رکھنے کا نام ہے جن کی انجام دہی کا خدا نے حکم دیا ہو یا جنھیں انجام دینے سے منع کیا ہو۔

انسان کا انجام اس کے عمل سے وابستہ ہے

خداوندمتعال اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان ہونے والی گفتگو بیان کرکے ہمیں انسان کے انجام سے روشناس کراتا ہے۔

کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ (۷۴ : ۳۸)

(ہر نفس اپنے اعمال میں گرفتار ہے)

پس انسان اپنے عمل سے جکڑا ہوا ہے۔ پس اگر آپ اپنی اصلاح نہ کریں درگاہِ الٰہی میں توبہ نہ کریں اور اس کی طرف پلٹ کر نہ جائیں۔ آپ اپنے ان اعمال میں جکڑے ہوئے ہیں جنھیں آپ نے آگے بھیجا ہے۔ ان میں سے بعض اعمال انسان کو جنت کی طرف لے جاتے ہیں اور بعض اعمال دوزخ کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ۞ فِیۡ جَنّٰتٍ ۛؕ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۞ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۞ (۷۴ : ۳۹-۴۱)

(علاوہ اصحاب یمین کے کہ وہ جنتوں میں رہ کر آپس میں سوال کررہے ہوں گے مجرمین کے بارے میں)

دکھائی یوں دیتا ہے کہ جنت سے جہنم نظر آتی ہے۔ لہٰذا جنت میں موجود مومنین ان مجرموں کو دیکھتے ہیں جو جہنم میں ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اہل دوزخ ان کے رشتے دار، دوست اور ان کی پارٹی سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ یہ ان سے پوچھتے ہیں:

مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ (۷۴ : ۴۲)

(آخر تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچادیا)

سقر دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔

قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ (۷۴ : ۴۳)

(وہ کہیں گے کہ ہم نماز گزار نہیں تھے۔)

خدا نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، اس کے باوجود

ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دیکھیے ہمارے بہت سے دوست، عزیز اور بچے بھی نماز نہیں پڑھتے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (۷۴ : ۴۴)

(اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔)

ہم خدا کی طرف سے عائد کردہ حقوق جیسے خمس، زکوٰۃ وغیرہ کو ادا نہیں کرتے تھے اور باوجود یہ کہ خدا نے ہم سے بارہا تقاضا کیا تھا کہ ہم فقیروں، ضرورت مندوں اور یتیموں کی حاجات پوری کریں، ہم نے یہ کام نہیں کیا۔

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ (۷۴ : ۴۵)

(ہم دوسرے لوگوں کے برے کاموں میں شامل ہوجایا کرتے تھے۔)

بہت سے ایسے لوگوں کی طرح جو پانی میں اتر جاتے ہیں ہم بھی بغیر یہ جانے بوجھے کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز بغیر کافی معلومات حاصل کیے دوسروں کے کاموں میں شریک ہوجاتے تھے۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (۷۴ : ۴۶)

(اور روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے۔)

جھٹلانے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ سرے سے آخرت کا انکار کردیتے ہیں۔ لیکن بعض آخرت کا انکار نہیں کرتے، البتہ اپنی آخرت کے لیے کوئی عمل انجام نہیں دیتے۔

حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝

(یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ تو انھیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔) (۷۴ : ۴۷-۴۸)

پس خدا کی رضا اور اجازت کے بغیر شفاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ انبیاء اور ائمہ خداوندعالم کی اجازت سے شفاعت کے مقام کے حامل ہیں، اور خداوندعالم ان کی شفاعت کو قبول بھی کرتا ہے۔ جمعرات کے دن امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا میں ہے:

و توسل من بہ انھیں واسطہ اور روزِ قیامت سودمند قرار دے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝

آخر انھیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ نصیحت سے منھ موڑے ہوئے ہیں۔ گویا بھڑکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگ رہے ہیں۔ (سورۂ مدثر ۷۴ : ۴۹-۵۱)

جن لوگوں سے خدا راضی ہو ان کی تائید

اگر آپ دنیا میں کسی گروہ کے پیروکار ہیں تو آپ کو مکمل طور سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اس بات کا جائزہ لیتے رہیں کہ جن لوگوں کو آپ پسند کرتے ہیں، جن کی آپ تائید کرتے ہیں، کیا ان کا شمار خدا کے پسندیدہ لوگوں میں ہوتا ہے؟ کیونکہ اگر ان کا شمار ایسے لوگوں میں نہ ہوتا ہو جن کی تائید اور حمایت کرنے پر خدا خوش ہوتا ہے تو یہ لوگ روز قیامت آپ سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

(باقی صفحہ ۸ پر)

﴿باب المتفرقات﴾

اہلِ بیت کا لغوی و اِصطلاحی مفہوم و مصداق اور مفسرین کی آراء

تحریر: مصطفیٰ بہشتی فاضل حوزہ علمیہ قم

جب کسی چیز کا مفہوم معلوم نہ ہو تو اس کے دیگر لوازمات کے بارے میں بحث اور گفتگو کرنا مشکل ہوتا ہے اور مفہوم کی پہچان کے بعد اس چیز کا مصداق متعین ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ یہ صرف ذہنی اور کلی بحث کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوگی۔ بنابریں کسی چیز کے مفہوم اور مصداق کا تعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ قرآن اور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات میں اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں بہت زیادہ تاکید ملتی ہے اور بہت سے اسلامی مسائل کا تعلق اسی کلمہ کی وضاحت پر منحصر ہے، لہذا اس کا مفہوم اور اس کے مصداق کا متعین ہونا ایک ضروری امر ہے۔

چونکہ اگر کلمہ اہل بیت کا مفہوم اور مصداق ہمارے لیے واضح ہوگیا تو گویا مرکز علم و حکمت اور مرجع دینی و علمی ہمارے لیے واضح ہوجاتا ہے، چونکہ جو بھی مصداق اہل بیت قرار پائے گا وہی مسلمانوں کا مرجع دینی و علمی مانا جائے گا۔ حدیث ثقلین کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو یہی اہل بیت ہی ہیں جن کی پیروی کا حکم پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دیا ہے۔ حوض کوثر پر ملاقات بھی انہی کی اِتباع میں مُضمر ہے اور رسُولِ اکرمؐ نے انہی ہستیوں کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ضلالت و تاریکی، اہلِ بیت کی نافرمانی میں اور فلاح و کامیابی ان کی اطاعت میں مُضمر ہے۔ مختصر یہ کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان کے لیے دنیاوی اور اخروی سعادت بھی انہی کی پیروی کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی بناء پر مکتب تشیّع میں تمام معارف اسلامی چاہے وہ اعتقادات ہوں یا شرعی احکام، اخلاقیات ہوں یا سیاسی و اجتماعی مسائل، ان سب امور میں اہل بیت سے راہنمائی لینا واجب ہے اور اسی طرح سیاسی اور اجتماعی حاکمیت کا حق بھی صرف اہل بیت کے ساتھ مختص ہے۔ چونکہ اہل بیت ہی پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی جانشین ہیں اور نبوت کے علاوہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باقی تمام منصبوں کے حامل ہیں اور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح گناہ اور نسیان سے پاک ہیں۔ ان کا قول، فعل اور سیرت بھی رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول و فعل اور سیرت و کردار کی طرح حُجت ہے۔ اسی بناپر لسان وحی اور زبان نبوت پر جاری ہونے والے کلمہ اہل بیت کے مفہوم اور مصدوق کا تعین کرنا ایک ناگزیر امر ہے۔

لغت میں اہل بیت گھر کے ساکنین کو کہتے ہیں۔ مجمع البحرین اور مفردات راغب میں اس کی تعریف کچھ یوں ہے۔ کسی شخص کے اہل بیت سے مراد وہ افراد ہوتے ہیں جو اس کے خاندان میں سے ہوں اور جو اس کے ساتھ اس کے گھر میں سکونت پذیر ہو۔ (مفردات راغب) راغب اور ابن منظور نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر اہل بیت کی اِصطِلاح بطور مُطلق استعمال ہو جائے تو اس سے مراد رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندان ہے۔ (لسان العرب) یہ تو اس کا لغوی معنی و مفہوم ہے۔

قرآن میں کلمہ اہل بیت کا استعمال

اہل بیت کا لفظ قرآن کریم میں دو جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ ایک حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کے بارے میں کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ حضرت سارہ کو خطاب ہوتا ہے:

قَالُوٓا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ (ہود ۱۱ : ۷۳)

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا تمھیں حکمِ الٰہی میں تعجب ہو رہا ہے؟ اللہ کی رحمت اور برکت تم گھر والوں پر ہے۔

دوسرا سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (احزاب ۳۳ : ۳۳)

ترجمہ: بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیتؑ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ دینی اِصطِلاح میں اہل بیت اور مصداق اہل بیت کیا ہے۔ اہل بیت ایک اِصطِلاح کے عنوان سے سورۂ احزاب کی اسی آیت کی وجہ سے مُسلمانوں کے درمیان رائج ہوا۔ اہل بیتِ رسُول اکرم کا مصداق کون ہے۔ یعنی دینی اِصطِلاح میں رسُول کے اہل بیت میں کون شامل ہے۔ اس سلسلے میں مُفسّرین اور علمائے علم کلام کے درمیان اس کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ تمام شیعہ مُفسّرین اور اکثریت قریب الاتفاق اہل سنت علماء و مُفسّرین کے نزدیک امیرالمومنین علیؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہم السّلام اہل بیت کے مصداق ہیں۔ یعنی پنج تن آلِ عبا یقیناً اہل بیت میں شامل ہیں۔ باقی لوگ موردِ بحث ہیں کہ آیا وہ اہل بیت کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں۔ کُتب فریقین میں اہل بیت کے مصداق کے بارے میں کلی طور پر چار اہم آراء ملتی ہیں۔

پہلی رائے اہل بیت سے مراد درجِ ذیل افراد ہیں۔ امیرالمومنین حضرت امام علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور زوجاتِ پیامبر اکرمؐ۔

اکثر مُفسّرین اہل سنت کا یہی نظریہ ہے۔ یہ مُفسّرین حضرات پنج تن آلِ عبا کو اہل بیت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقیقی مصداق کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجات گرامی کو بھی اہل بیت میں شامل ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ ان

علماء میں سے نمایاں اور معروف حضرات یہ ہیں: محمد بن جریر طبری، جو اپنی تفسیر "جامع البیان عن تاویل ای القرآن" میں سے اسی نکتہ پر زور دیتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد پنج تن پاک اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجاتِ گرامی ہیں۔ (جامع البیان طبری ذیل آیتِ تطہیر)

اسی طرح اہل سنت کے مشہور اور معروف مفسر جناب فخر رازی اپنی تفسیر الکبیر و مفاتح الغیب میں اسی نظریہ کو پیش کرتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد امام علیؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور زوجاتِ گرامی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (تفسیر کبیر ذیل آیتِ تطہیر)

اہل سنت کے ایک اور معروف مفسر ثعالبی اپنی تفسیر الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن میں یہی لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد پنج تن آل عبا اور زوجاتِ گرامی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (جواہر الحسان ثعالبی ذیل آیتِ تطہیر)

ناصر الدین بیضاوی جو اہل سنت کے شہرت یافتہ مفسرین میں سے ہیں، انھوں نے بھی یہی نظریہ اپنی تفسیر تفسیر بیضاوی میں پیش کیا ہے۔ (ذیل آیتِ تطہیر)

یہ ایک نقطۂ نظر ہے، جس میں پنج تن آلِ عبا بشمول زوجاتِ گرامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل بیت کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔

دوسری رائے اہل بیت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے رشتہ دار ہیں۔ جس میں زوجات، فرزندان اور سارے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب شامل ہیں۔

لیکن ذرا سا غور و فکر کرنے سے اس نقطہ نظر کا بطلان واضح ہوجاتا ہے۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو فضیلت اس آیت میں اہلِ بیت رسولؐ کے لیے بیان ہوچکی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے رشتے داروں کے لیے بھی ہو۔ حالانکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں میں ابولہب بھی آجاتا ہے۔ جس کی خدا نے صاف الفاظ میں مذمت کی ہے۔ تبت یدا ابی لھب و تب (سورۂ لہب ۱۱۱: ۱) یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہوجائے۔

اب ابولہب جیسا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانی اور سخت ترین دشمن کیا اہل بیت میں شامل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس دیدگاہ پر زیادہ بحث و گفتگو کرنا لغو ہے۔ اس نظریہ کو پیش کرنے والوں میں سب سے مشہور علی بن اسماعیل اشعری ہے۔ (مقالات الاسلامین و اختلاف المصلین علی بن اسماعیل اشعری)

تیسری رائے اہل بیت رسولِ اکرمؐ سے مراد فقط زوجاتِ گرامی پیامبر اکرم ہیں، باقی کوئی بھی اہل بیت میں شامل نہیں۔ محمد بن علی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ: بخاری، ابنِ عساکر، ابنِ مردویہ، ابن ابی حاتم اسی نظریہ کے طرف دار ہیں۔ (تفسیر فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۷ طبع دار المعرفہ بیروت ۱۹۹۴ء)

البتہ اس نظریہ کا بطلان بھی واضح ہے۔ کیونکہ یہ نظریہ جمہور علماء اہل سنت کے خلاف ہے۔ جنھوں نے پنج تن آلِ عبا کے اہل بیت میں شامل ہونے کو لازمی قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ روایات متواترہ کے بھی

برخلاف ہے۔ جن میں پنج تن آلِ عبا کو اہلِ بیت کا مصداق قرار دیا گیا۔ لہٰذا یہ نظریہ فقط مکتب تشیُّع کے لیے قابلِ قبول نہیں بلکہ خود اہل سنت کے علماء اور مُفسّرین بھی اس نظریہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

چوتھی رائے آیتِ تطہیر میں اہل بیت رسُول سے مراد صرف امیرالمومنین امام علی بن ابی طالبؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہم السّلام ہیں اور لفظ اہل بیت کا اطلاق ان کے علاوہ کسی اور پر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ شیعہ مُفسّرین رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حدیث متواتر سے تمسک کرتے ہوئے کہ جس میں بارہ خلفاء کا ذکر پایا جاتا ہے، امام حسینؑ کے نو فرزندوں کو بھی مصداق اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ ہم ان شیعہ مُفسّرین میں سے چند بزرگ علماء کے کلام کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

شیعوں کے معروف مُفسّر شیخ طوسی اپنی تفسیر التبیان فی تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں: اہل بیت سے مراد امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السّلام ہیں۔ (التبیان فی تفسیر القرآن شیخ طوسی طبع دار احیاء التراث العربی ذیل آیت تطہیر)

اسی طرح شیعوں کے ایک مشہور مُفسّر فضل بن حسن طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان فی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں: اہل بیت سے مراد پنج تن آلِ عبا ہیں اور اس کے علاوہ یہ آیت کسی کو شامل نہیں۔ (مجمع البیان فی تفسیر القرآن انتشارات ناصر خسرو ذیل آیت تطہیر)

عصر حاضر کے ایک عظیم اور نامور شیعہ مُفسّر علامہ سید محمد حسین طباطبائی اپنی تفسیر تفسیر المیزان میں اسی نظریہ کو بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر المیزان قم دفتر انتشارات اسلامی (جامعہ مدرسین) ذیل آیتِ تطہیر)

اس کے علاوہ اہل سنت کے بعض مشہور مُفسّرین اور برجستہ علماء بھی اسی نظریہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ علماء حضرات ام سلمہؓ کی حدیث صحیح کو سند قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ام سلمہؓ کے حدیث صحیح کی بناء پر آیۂ تطہیر پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علیؑ، فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، اور امام حسینؑ علیہم السّلام کے ساتھ مختص ہے۔

محمد بن علی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ترمذی، طبری، ابن منذر اور حاکم نیشاپوری یہ وہ علماء و مُفسّرین ہیں جو آیۂ تطہیر کو رسُول اکرمؐ امام علیؑ، فاطمہ زہراء، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ساتھ مختص جانتے ہیں۔

(فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۵۶۷)

بعض علماء مصداق اہل بیت کا پنج تن آلِ عبا کو قرار دیتے ہیں اور کسی کو بھی اہلِ بیت میں شامل نہیں کرتے۔

(بشکریہ ششماہی "نور معرفت ۵" اسلام آباد

آخبارِ غم

1. جناب سید ابوالحسن صاحب آف پنج گرائیں ضلع بھکر کے برادر بزرگ سید آغا حسین شاہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے۔

2. جناب سید اللہ یار شاہ صاحب کی والدہ رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

3. جناب مولانا سید کرم حسین شاہ برادر سید زمرد حسین صاحب ڈھوک حسن شاہ ضلع لیہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

(ادارہ)

التماس دعا برائے مریضان

1. ملک منور حسین صاحب اور ان کی اہلیہ بیمار ہیں۔

2. حاجی محمد رمضان صاحب آف دریا خان بیمار ہیں۔

3. حاجی خضر عباس خان آف بھکر مریض ہیں۔

4. مولوی غلام رضا صاحب آف جوڑا کلاں بیمار ہیں۔

مومنین سے دعاء صحت کرنے کی استدعا ہے۔

(ادارہ)

خیر مقدم

بعض حضرات انگلینڈ سے یہاں پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں، ہم ان سب کو خیر مقدم کہتے ہیں۔

1. لندن سے الحاج مُحسِن پاشا صاحب آف چکوال تشریف لائے ہیں۔ ہم ان کو خُوش آمدید کہتے ہیں۔ نیز ان کے بھائی حسن رضا پاشا کے سول جج مقرر ہونے پر مبارک پیش کرتے ہیں۔

2. عماد العلماء حضرت مولانا سید امیر حسین نقوی آف برمنگھم برطانیہ سے پاکستان تشریف لائے ہیں۔ ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

3. حجۃ الاسلام مولانا سید محمد مصدق حیدر صاحب انگلستان سے پاکستان تشریف لائے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ ان کی توفیقاتِ خیر میں اِضافہ فرمائے۔ ہم انھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔

(ادارہ)

اعلانِ داخلہ

جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا میں
داخلہ کے خواہش مند طلباء درجِ ذیل پتے پر رابطہ کریں

یادرہے کہ جامعہ ھذا میں

1. مکمل عالم فاضل کے لیے آٹھ سالہ کورس
2. مبلغین کے لیے چار سالہ کورس
3. پیش نماز حضرات کے لیے دو سالہ کورس

پڑھانے کے لیے چار فاضل مُعلّمین موجود ہیں

پرنسپل جامعہ عِلمیہ سُلطان المدارس
الاسلامیہ زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722

- بلاوجہ ہنسنا جہالت کی دلیل ہے۔
- غصہ ہر برائی کی کنجی ہے۔
- حسد اور کینہ پرور کو کبھی سکون نہیں ملتا۔
- ایک مومن دوسرے مومن کیلئے برکت ہے۔
- جاہل کی دوستی مصیبت ہے۔
- دنیا کی تلاش میں کوئی فریضہ نہ گنوا دینا۔
- بہترین پرہیزگار وہ ہے جو گناہ مطلقاً چھوڑ دے۔
- تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جا سکتا۔
- اس انداز سے کسی کی تعظیم نہ کرو جسے وہ برا سمجھے۔
- معمولی آدمی کے ساتھ اگر حق ہو تو وہی بڑا ہے۔